رجسٹرڈ انگلشیہ (نمبر)

رجسٹرڈ آصفیہ (نمبر ۱)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

مملکت

ہفتہ وار

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی۔ اے۔ ایل ایل بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ ....
ششماہی ....
سہ ماہی ....

شرح چندہ
سالانہ ....
ششماہی ....
سہ ماہی ....

قیمت پرانا پرچہ (۴)

قیمت فی پرچہ (۲)

جلد (۲) | ۵ شہریور ۱۳۵۱ ف | ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ | ۱۱ جولائی ۱۹۴۲ء شنبہ | نمبر (۱۳)

دکھنی قومیت

ہندو مسلم تہذیبوں کا امتزاج

تاریخ کا مقدس ورثہ

جناب غلام معین الدین صاحب نے حال ہی میں نشرگاہ حیدرآباد سے تقریر کرتے ہوئے دکھنی قومیت کے ارتقاء اس کی خصوصیت اور خاص طور پر ہندوستان کی تعمیر میں دکن کے نمایاں حصہ کی وضاحت کی۔ آپ نے اس حقیقت پر خاص زور دیا کہ دکن میں قومی جذبہ کی ترقی یہاں کے سلطان فرماں رواؤں کی پر خلوص سرپرستی کی ممنون ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے جامعہ عثمانیہ کی ان کوششوں کا بھی ذکر کیا جو ہندوستان کی مشترکہ زبان کو فروغ دینے کے لئے کی گئی ہیں

دو تہذیبوں کا امتزاج

ایران اور عربستان سے آنے والوں نے جب ہندوستان میں اپنے قدم جمائے اور اس دیس کو اپنا دیس بنالیا تو ان حکمرانوں کی تہذیب قدیم ہندوستانی تہذیب میں گھل مل گئی۔ ان حکمرانوں نے اپنی تہذیب کو ہندوستانیوں کے سر پر ہی نہیں لادا بلکہ رفتہ رفتہ وہ قدیم ہندوستانی تہذیب سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ نئی اور پرانی تہذیب کے ملنے سے ایک نئی تہذیب جسے ہندوستانی تہذیب کہنا چاہئے عالم وجود میں آئی۔ یہ ہندوستانی تہذیب صدیوں کے میل جول اور بھائی چارہ کا نتیجہ ہے دو قومیں اس طرح ایک دوسرے سے ملیں کہ ان کی زبان ان کا تمدن غرض سب کچھ ایک دوسرے سے مختلف تھا مگر چونکہ اس ملک کی قسمت کا دامن ان حکمرانوں کے ساتھ بندھ چکا تھا انہوں نے اس دامن کو تار تار کرنے کے بجائے اس پر اپنے نقوش کی مہر لگا دی۔ اس ملک کے بسنے والوں کے مستقبل کو انہوں نے اپنا مستقبل بنا لیا۔ اور اس سرزمین کو اس طرح اپنا بنا لیا کہ پہلے جو غیر بن کر آئے تھے وہ اب اپنے ہو گئے۔ اس باہمی میل جول اور اشتراک کا اثر سب سے پہلے زبان پر پڑا۔

مشترکہ زبان کی ضرورت

دو مختلف قوموں کے درمیان اظہار خیال کے لئے ایک نئی زبان کا وجود ناگزیر تھا۔ مگر یہ ایک عجیب بات ہے کہ شمالی ہند میں یہ اثر ذرا دیر میں شروع ہوا اور شمالی ہند سے بہت پہلے یہ زبان دکن میں عالم وجود میں آ چکی تھی۔ اظہار خیال کی اس یگانگت نے ہی وحدت کے شعور کو جنم دیا اور دکن میں یہ جذبہ اس قدر بڑھا کہ اس نے ایک نئی قومیت کو تشکیل دی۔ اور یہ قومیت دکھنی قومیت تھی۔ تاریخ میں یہ جذبہ دکن پر بیرونی حملوں کے وقت اور زیادہ اجاگر ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ نواب علی یاور جنگ بہادر نے ہندی کانگریس کے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا کہ یہ جذبہ سب سے پہلے چاند بی بی اور ملک عنبر میں رونما ہوا۔ جنہوں نے اپنے ملک کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانے کے لئے پوری پوری کوششیں صرف کر دیں۔ ملک عنبر اس طرح دکن کا سب سے بڑا ہیرو ہے جس نے برسوں تک احمد نگر کو مغلوں سے بچائے رکھا۔ مگر جب سلطان ابراہیم عادل شاہ مغلوں سے مل گیا تو ملک عنبر کو مجبوراً ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ کچھ عرصہ بعد ہی دکھنی بیجاپور کی مدد سے اس نے پھر اقتدار حاصل کر لیا اور مغلوں کی فوجوں سے مقابلہ کر کے دوبارہ یہاں تک کہ مغل صلح پر آمادہ ہوگئے۔ ملک عنبر کی یہ کوششیں اصل میں اسی جدوجہد کی ایک مثال ہیں جو ہمیشہ سے دکن اور بیرون دکن کے مقابلہ میں جاری رہی ہیں۔

آثار قدیمہ

سرزمین دکن میں ہندوستان کی قدیم تہذیب کے نقوش روشن ہیں۔ ایک طرف یہاں قدیم دراوڑی تہذیب کی نشانیاں ملتی ہیں تو دوسری طرف آریائی حکمرانوں کے آثار ہیں۔ مسلمانوں نے بھی اپنے خلوص اور یگانگت کو اس سرزمین پر ثبت کر دیا ہے اور یہ سب آثار دکن کی مشترکہ میراث ہیں۔ دکھنی قومیت کی تشکیل میں یہاں کے سلاطین اور بادشاہوں نے بہت بڑا حصہ لیا ہے سب سے پہلے انہوں نے اظہار خیال کے ذریعہ کو اپنایا اور فارسی کو چھوڑ کر دکھنی اردو کو اس قدر ترقی دی کہ وہ سب کی زبان بن گئی۔ زبان کی اس یگانگت سے جو دور تھے ان کو قریب سے قریب تر کر دیا۔ اس طرح زبان کی یگانگت کا اثر رفتہ رفتہ خیالات، رہنے سہنے کے طریقوں اور رسم و رواج پر بھی پڑنے لگا اور ان میں بھی یکسانیت پیدا ہوتی گئی۔

ادب قوم کے جذبات اور احساسات کی تصویر ہے۔ اس دور کے ادب میں بھی جسے بادشاہوں کی سرپرستی حاصل تھی، دکھنی قومیت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اس سلسلہ میں محمد قلی قطب شاہ کا نام سر فہرست رہیگا جس نے اپنی شاعری میں مقامی رنگ کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی۔

قطب شاہوں کی کوشش

سچ پوچھئے تو قطب شاہوں نے دکھنی قومیت کے جذبہ کو مستحکم کرنے میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیب و تمدن پر دکنیت کا رنگ چڑھانے کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ انہوں نے اپنی شاہی میں جو رواداری برتی اس کی وجہ سے باہمی اشتراک اور اتحاد واقع ہو گیا۔ صرف قابلیت ہی کو انہوں نے مناصب اور عہدوں کا معیار ٹھہرایا۔ اکنا اور مادنا اس کی مثال ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

ہفتہ وار

مملکت

جلد (۲) ۵ شہریور ۱۳۵۱ ف روز شنبہ نمبر (۱۳)

ایک نامناسب اقدام

ایک عرصے سے کانگریس کی یہ کوشش رہی ہے کہ ریاست ہائے ہند کو اپنے حیطۂ اثر میں لا کر اپنے اس ادعا کو ثابت کر سکے کہ وہ سارے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے لیکن حالات نے اس کو ریاستوں میں براہ راست مداخلت کرنے سے باز رکھا۔ براہ راست مداخلت کو خلافِ مصلحت سمجھ کر کانگریس نے ریاستوں میں اپنے اثر کو پھیلانے اور اپنے مقاصد کا پرچار کرنے کے لئے ایک عقبی راستہ تیار کیا اور اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا جو کانگریس سے متعلق تو نہیں مگر کانگریسی لیڈروں کی سرپرستی میں کام کر رہا ہے۔ ہم یہاں بحث کرنا نہیں چاہتے کہ اس ادارے میں کس قسم کے لوگ کام کر رہے ہیں، اس کے کارکن کس حد تک ریاستوں کی حقیقی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کے محرکاتِ عمل کیا ہیں؟ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں ایسے بیرونی اداروں کی مداخلت کو ہم نے کبھی پسند نہیں کیا۔ ہمارا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ ایسے بیرونی اداروں کی مداخلت کا سدباب ریاستی حکومتیں انفرادی یا مشترکہ طور پر کر سکتی ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کی سرگرمیوں کے ردعمل کے طور پر ریاستی مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ ریاستی مسلم لیگ کو وجود میں آئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے اور جہاں تک ہمیں علم ہے ریاستی مسلم لیگ نے کوئی ایسی جدوجہد نہیں کی جس سے اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کی مداخلت اور سرگرمیوں کا سدباب ہو سکے۔ ہماری یہ سوچی ہوئی رائے ہے کہ اس غرض سے ریاستی مسلم لیگ کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ یہ کام تو صرف ریاستی حکومتیں انجام دے سکتی ہیں یا انجام دے رہی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے حیدرآبادی کارکنوں کو بار بار یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ریاستی مسلم لیگ میں شریک ہو کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی پوری توجہ اپنے اندرونی مسائل پر مرکوز کریں۔

نامناسب مداخلت۔

ہم حیدرآباد کو ایک سیاسی وحدت تصور کرتے ہیں اور اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ کوئی بیرونی ادارہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے۔ اسی طرح ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ حیدرآباد کے پبلک کارکن دوسری سیاسی وحدتوں کے اندرونی معاملات میں دخل دیں۔ کیونکہ ایسی مداخلت کا ردعمل خود حیدرآباد کے لئے مضر نتائج کا حامل ہوگا۔ ابھی حال میں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ ریاستی مسلم لیگ کا ایک جلسہ ناگپور میں منعقد ہوا جس میں ایک کمیٹی اس غرض کے لئے مقرر کی گئی کہ:۔

"ریاستوں کا دورہ کرنے کے بعد ریاستی مسلم لیگیوں کو شہری رفاہ کے سلسلہ میں مشورہ دے۔ اس کمیٹی میں آٹھ ارکان ہوں گے۔ .... ایک اور کمیٹی ریاستی مسلمانوں کے سیاسی اور اقتصادی حالات کی جانچ کرنے کے لئے جولائی سے اکتوبر تک ریاستوں کا دورہ کرے گی۔"

اس خبر کی اشاعت کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ حیدرآباد کے سیاسی حلقوں میں بے چینیاں شروع ہو گئیں۔ ہم اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکثر ارباب فکر اس قرارداد کو ایک نامناسب اقدام سمجھ رہے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ بات واقعی نامناسب ہے کہ ریاستوں کے شہری رفاہ کے مسائل میں کوئی بیرونی ادارہ مداخلت کرے۔ اس کے علاوہ ریاستی مسلمانوں کی سیاسی اور اقتصادی حالات کی جانچ کرنے کے لئے ریاستی مسلم لیگ کی کمیٹی کا دورہ بڑی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ شاید انہی الجھنوں کو مد نظر رکھ کر آل انڈیا مسلم لیگ نے ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مسٹر جناح کی فراست اور تدبر سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ جب مسٹر جناح نہیں چاہتے کہ ریاستوں میں مداخلت کی جائے تو ریاستی مسلم لیگ کے ارباب حل و عقد کو کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس اقدام کے دوررس نتائج پر خوب غور کر لینا چاہئے۔ ہمارا خیال ہے کہ ریاستی حکومتیں کبھی اس بات کو گوارا نہیں کریں گی کہ ریاستی مسلم لیگ کی کوئی کمیٹی ان کے اندرونی معاملات میں دخل دے اور اس نازک زمانہ میں فرقہ واری مسائل کھڑے ہو جائیں۔ ریاستی مسلم لیگ کا ایسا اقدام ریاستی حکومتوں کو اپنا مخالف بنا دے گا اور چونکہ اس کے سرگرم ارکان حیدرآباد کے پبلک کارکن ہی معلوم ہوتے ہیں ریاستی حکومتوں کی مخالفت حیدرآباد پر کیا اثر ڈالے گی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے اسٹیٹس پیپلز کانفرنس یا دیگر بیرونی اداروں کی مخالفت کو روکنے کے لئے ریاستی حکومتوں کو مشترکہ طور پر قدم اٹھانا چاہئے مگر ہمیں اندیشہ ہے کہ ریاستی مسلم لیگ کے اس اقدام سے ہندو ریاستوں اور مسلم ریاستوں میں بجائے اشتراک و تعاون کے کہیں کوئی خلیج حائل نہ ہو جائے۔

خارجی فتنہ کو دعوت۔

سیاسی کارکنوں کو یہ بات نظرانداز نہ کرنی چاہئے کہ ہر ریاست کے مقامی حالات دوسری ریاستوں سے مختلف ہیں اور جو طریقِ عمل برطانوی ہند میں مفید ثابت ہو سکتا ہے بہت ممکن ہے کہ وہ ریاستوں میں بے حد مضر نتائج پیدا کرے۔ ہمیں "اسلام" کی رائے سے پورا اتفاق ہے کہ:۔

"ریاستی مسلم لیگ کو کوئی ایسی مرکزیت حاصل نہیں اور نہ حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ تمام ریاستوں میں فرقہ داری بنیاد پر کوئی مرکز اور مفید اقدام کر سکے۔ مثلاً جب وہ اپنی کسی کمیٹی کو ہندو ریاستوں میں تحقیقات اور جانچ کے لئے بھیجے گی تو اس کو یہی اور ایسا انتقامی اقدام تصور کیا جائے گا کہ مسلمان ریاستوں میں ہندو اداروں کی طرف سے تحقیقات اور جانچ کے بہانے سے مداخلت شروع کی جائے۔"

ہمیں یاد ہے کہ وہ کیا سبب تھے جن کا جوابی اقدام حیدرآباد کے ہندو سماج کے حلقوں کی صورت میں نہایت خطرناک ثابت ہوا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اب اگر ریاستی مسلم لیگ کی کمیٹیاں ہندو ریاستوں میں تحقیقات اور جانچ کرنے کے لئے جائیں گی تو ہندو ریاستوں کی کمیٹیاں مسلمان ریاستوں میں مداخلت شروع کر دیں گی۔ کم از کم حیدرآباد تو اس کے لئے تیار نہیں کہ اس کو ایسے فرقہ واری جھگڑوں کا اکھاڑہ بنا دیا جائے۔ یہاں کا ماحول اب بھی اس قسم کی کشمکش کا تجربہ مقدم کرنے کے لئے سازگار نہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ باوجودیکہ ہم بجا طور پر یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ حیدرآباد کی جداگانہ انفرادیت اور وحدت خارجی مداخلت سے بالاتر ہے لیکن ہم خود اس مداخلت کے لئے دروازے کھولتے ہیں اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ غیر خود سینہ زنی پر ... دیگراں چند اسٹیٹس مسلم لیگ کا حقیقی مرکز حیدرآباد بنا دیا گیا ہے اس لئے یہ لیگ جو اقدامات بھی کرتی ہے وہ حیدرآباد سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب یہ لیگ ہندو ریاستوں کے مقامی حالات میں مداخلت کرنے جائے گی تو ہندو فرقہ پرست حیدرآباد میں اپنے مورچے قائم کرنے کی کوشش کریں گے گویا ہم خود ہی اس خارجی فتنہ کو مدعو کرنے کی حرکت کر رہے ہیں۔

ان حیدرآبادی زعماء کے لئے جو اسٹیٹس مسلم لیگ کے ہیڈ آفس پر بہت نمایاں حیثیت حاصل کر چکے ہیں ہم خود بتا دیں کہ ہم ... کا مطالبہ کرتے ہیں یا جب جماعتی وحدت نہیں، وہ بیٹھے نہ کیا۔

(ہی جدوجہد کے سبب دکھاوے نتائج پیدا کریں۔ ان کی تجاویت اگر وطن پرستی کے لئے حیدرآباد میں بہت بڑا میدان موجود ہے۔"

پہلے گھر کی فکر

واقعہ یہ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے اپنے گھر کی فکر کرنی چاہئے۔ اگر حیدرآباد کی معاشی حالت کا جائزہ لیا جائے اور اعداد و شمار فراہم کئے جائیں تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ اپنے ہمسایہ فرقوں کے مقابلہ میں حیدرآبادی مسلمانوں کی آمدنی اس درجہ قلیل اور قابل لحاظ ہے کہ بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ حیدرآباد کا مسلمان دوسرے فرقوں کی معاشی غلامی میں جکڑا ہوا ہے۔ بجز چند افراد کے جن کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں ہر مسلمان خواہ اس کی تنخواہ یا جاگیر کی آمدنی ماہانہ تین ہزار ہی کیوں نہ ہو مقروض ہے جائدادیں یا تو فروخت ہو چکی ہیں یا رہن ہیں۔ آمدنی گھٹتی جا رہی ہے اور اسی تناسب سے اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جہالت اور فرسودہ رسم و رواج کا شکار ہے۔ اور جو چند تعلیم یافتہ وہ جھوٹی نمائش میں الجھے ہوئے ہیں۔ جس فرقہ کی معاشی و سماجی حالت ایسی ہو وہ پبلک کارکنوں کی اولین توجہ کا مستحق ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ ریاستی مسلم لیگ کے حیدرآبادی کارکن ہمارے اس مخلصانہ مشورہ پر برہم اور ناراض ہونے کے بجائے اس مسئلے کے ان تمام پہلوؤں پر غور کریں گے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور اپنی پوری توجہ مسلمانان حیدرآباد کے معاشی و سماجی مسائل پر مرکوز کریں گے۔

زبان کے مسئلہ پر اب بھی مناقشہ جاری ہے

صورت حال سے فرقہ پرست افراد فائدہ اٹھا رہے ہیں

"ہندستان" کا نامہ نگار دکن سے تحریر کرتا ہے کہ:-

یہاں زبان کے مسئلہ پر اب بھی مناقشہ جاری ہے۔ ہندو مہا سبھا کو توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ کوشش کر رہی ہے کہ اس مسئلہ کے ذریعہ عوام میں ہیجان پیدا کرے اور اس خاص کشمکش سے وہ سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ حکومت کے ان احکام جن کے ذریعہ اردو کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دیا گیا ہے کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ایک ایسی صورت حال کو قانونی شکل دی گئی ہے جو برسوں سے موجود تھی۔ ایک عرصہ دراز سے اردو سرکاری زبان تھی اور کوئی شخص اس کی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ موجودہ مخالفت ہیجانی افراد کی آفریدہ ہے اور یہ اس قدر مصنوعی ہے کہ ہر شخص ان سیاسی اغراض کو دیکھ سکتا ہے جو اس کے تہہ میں کار فرما ہیں۔

اس ادعا کی تردید کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے پنڈت جواہر لال نہرو جیسے شخص نے کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ "اردو کو مسلمانوں کی زبان سمجھنا ایک مہمل بات ہے اردو (بجز رسم خط کے) ہندوستان کی سرزمین سے پیدا ہوئی اور ہندوستان سے باہر اس کی کوئی جگہ نہیں۔ آج بھی شمالی ہند میں یہ ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد کی گھریلو زبان ہے۔" پنڈت نہرو یہ بھی بیان کر سکتے تھے کہ شمالی ہند میں ہندو مہا سبھا کے تمام سرکردہ اور وہ جرائد اردو میں شائع ہوتے ہیں اور مہا سبھا کے سرکردہ اور وہ نمائندے سیکڑوں جیسے غلام اسی زبان میں مسلمانوں کے خلاف مہم چلا رہے ہیں۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ ان لوگوں نے جو اس زبان کے بغیر کام نہیں کر سکتے اسی زبان کے خلاف ایک مہم جاری کر رکھی ہے۔

اردو کو سرکاری زبان دو وجوہ سے قرار دیا گیا ہے ایک وجہ یہ ہے کہ ساری ریاست کے لئے ایک مشترکہ زبان ہونی چاہئے اور یہ مشترکہ زبان ایسی ہو جو کانگریس کے نصب العین کے مطابق سارے ہندوستان کی مشترکہ زبان ہو۔ کوئی مقامی زبان — کنڑی، تلنگی، مرہٹی — کل ہندی اہمیت حاصل نہیں کر سکتی۔

فرقہ پرست ہندو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندی کیوں نہیں؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ بجز رسم خط کے ان دونوں میں بہت کم فرق ہے۔ (ہندستان ۲۰ر جون)

مہاتما گاندھی کی مجوزہ تحریک

کیا یہ تحریک ریاستوں میں بھی چلائی جائے گی۔

باوثوق طور پر معلوم ہوا ہے کہ مہاتما گاندھی جو تحریک شروع کرنے والے ہیں وہ صرف برطانوی ہند تک محدود نہیں رہے گی بلکہ ہندوستانی ریاستوں میں بھی جاری ہوگی۔ اب تک تمام تحریکیں صرف برطانوی ہند تک محدود تھیں۔ مہاتما گاندھی کا ارادہ ہے کہ مجوزہ تحریک ہندوستانی ریاستوں میں بھی چلائی جائے کیونکہ کئی ریاستوں میں غیر ذمہ دارانہ طور پر نظم و نسق انجام پاتا ہے اور برطانوی حکومت ہندوستانی ریاستی رعایا کی شکایتوں سے تغافل برت رہی ہے۔ مسٹر رام کشن دھوت اور سوامی رامانند تیرتھ نے مہاتما جی سے ملاقات کی اور انہیں حیدرآباد (دکن) کی جیری پالیسی کے خلاف اپنی شکایتوں سے آگاہ کیا۔ (جنم بھومی۔ بمبئی)

ستیاگرہیوں کی بدزبانی

مہاتما گاندھی "ہریجن" میں تحریر کرتے ہیں کہ "سری پرکاش جو میری استدعا پر جودھپور اس لئے گئے کہ [illegible] کو بہتر بنانے کے لئے جو کچھ ممکن ہو کریں، عہدہ داروں سے ملیں اور ان سے حالات معلوم کریں اب واپس آ کر مجھے اپنی رپورٹ دکھاتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عوام کو دبانے کے لئے عہدہ داروں نے آزادی سے کام چلائی ہے۔ مجھ سے انہوں نے یہ بھی کہا کہ لوک پریشاد کے بعض ارکان زبان کے استعمال میں محتاط نہیں تھے۔ عہدہ داروں نے ان سے کہا کہ اگر لوک پریشاد جلسے منعقد کرے اور منظم طور پر حکومت کا مقابلہ کرے تو قابل اعتراض نہیں جب تک کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔

سری پرکاش مجھ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ بالمکند بیاس کی موت کی ایک حد تک جیل کی خراب حالت بھی ذمہ دار ہے لیکن عہدہ داروں پر غفلت کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ ایسے حالات میں بھی موت واقع ہو سکتی ہے۔ جب کبھی جیل میں کوئی موت واقع ہو تو اس میں عہدہ داروں پر الزام لگایا جاتا ہے۔ ہر واقعہ کو اس کے مخصوص حالات کے تحت جانچنا چاہئے۔

سری پرکاش اپنے ساتھ ایک پمفلٹ لائے ہیں۔ اس کی زبان ایسی ہے جو کوئی ستیاگرہی استعمال نہیں کر سکتا۔ توقع رکھنی چاہئے کہ پبلک کارکن زبان کے استعمال میں احتیاط برتیں گے۔"

مفاہمت ضروری ہے

مسٹر راجگوپال چاری کا بیان

نئی دہلی ۱۰ر جولائی۔ انڈین اکسپریس میں مسٹر سی راجگوپال آچاری نے ایک مضمون لکھا ہے جس کے دوران میں راجہ جی لکھتے ہیں میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ ہندوستان ایسے نازک موقع پر مجبور رہے جب جنگ خود اس کی زمین پر لڑی جا رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستانی جاپان کی موثر مقاومت کریں۔ کئی اہم شخصیتوں کا خیال ہے کہ یہ ناممکن ہے جس کو میں نہیں مانتا اور اسی لئے میں اس کو ممکن بنانے کی پوری کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ قوت یا اسلحہ طاقت کے اندازہ نے ان پر غلبہ پا لیا ہے جس کو کوئی ترجیح نہیں دی جا سکتی اس کے نقطہ نظر اگر مقامی مقاومت کے لئے عوام کی حکومت کی تنظیم ہو تو جاپان کسی طرح ہندوستان پر قبضہ نہیں پا سکتا جیسا کہ بعض لوگ غلطی سے ایسا سمجھتے ہیں۔

بعض اہم شخصیتوں نے یہ تہیہ کیا ہے کہ وہ تحریر و تقریر سے یہ کہتے ہیں "برطانیہ ہندوستان میں حقیقی قومی حکومت کے قائم کرنے کا موقع دینا ہی نہیں چاہتی اور یہ کہ ہماری جو امیدیں [illegible] کے سلسلہ میں ہم مسلح افواج کی مدد سے موثر قومی مقاومت کریں پوری نہ ہوں گی۔ اگر ہم یقین کر لیں کہ برطانیہ بھی اپنی گرفت کو ڈھیلا نہ کرے گا تو ہم تشدد کے [illegible] عدم تشدد کی تحریک اس موقع پر بنیادوں کو کھوکھلی بنا رہی ہے۔ یہی وجہ میرا یقین ہے کہ اس وقت لیگ اور کانگریس کی مفاہمت بڑی ضروری ہے۔ ایسا ہوتا تو اگرچہ ہے کیونکہ یہ مفاہمت بجائے خود [illegible] کرے گی اس کے سوا اور کوئی دوسری بنیادی قوت موجود نہیں ہے۔ ایسے نازک موقع پر دو بڑی تحریکیں ہیں اول یہ اور دوسرا عدم تشدد اور میں صورت اول کو صورت ثانی پر ترجیح دوں گا۔

نیلگری کی بہترین چائے کا واحد مرکز چینا نیلگری ٹی امپوریم "روبرو معظم جاہی مارکٹ"

تہذیب کا مستقبل

از

سر الفریڈ زمرن

(بقیہ سلسلہ ہفتہ گزشتہ)

اس موقع پر اصل موضوع سے ہٹ کر ہمیں حیاتیات سے کسی قدر بحث کرنا ہوگی۔

آج کل کی مایوسی اور ناامیدی کی فضا کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ترقی کے بارے میں ہمارے آبا و اجداد کا جو ایقان تھا آج سائنس نے اس خاص شکل میں اسے غلط ثابت کر دیا ہے۔

پچاس سال پہلے تک ماہرین حیاتیات میں یہ نظریہ مسلم تھا کہ اکتسابی خواص یعنی وہ جسمانی اور ذہنی خصوصیتیں جو کوئی جاندار اپنے دوران زیست میں اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے، ابتدائی ارثی خصوصیات کے ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہو سکتی ہیں۔ اپنے اسی یقین کی وجہ سے علوم عمرانی کے قدیم ماہرین کو انسان کی معاشرتی ترقی کی طرف سے اطمینان تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ حیاتی اصولوں کی روشنی میں ان کی یہ توقع بجا ہے کہ ماحول کی تیز رفتار ترقی کے اثر سے انسانی فطرت کی مسلسل نشوونما بھی ہوتی رہے گی۔ یعنی بہتر حالات زندگی سے فطرت انسانی بھی بہتر ہوتی جائے گی، اور اس سے حالات میں مزید بہتری پیدا ہوگی، اور اس طرح خود ترکیبی کے اصول پر دو طرفہ فوائد کا یہ سلسلہ روز افزوں ہوگا۔ یہاں تک کہ تہذیب مغربی کی برکات ساری دنیا پر پھیل جائیں گی اور کیا مشرق اور وحشی افریقہ دونوں جگہ کے باشندے مغربی ادارات کے زیر اثر ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے اور ٹینی سن کے قول کے مطابق (جو اس کے زمانے کی عام فہم سائنس کی صدائے بازگشت ہے) ساری دنیا "انسانی پارلیمنٹ" اور "وفاق عالم" کے تصور کو قبول کر کے ایک ہی حکومت کو تسلیم کرے گی۔

آج ہم جانتے ہیں کہ یہ امیدیں محض خیالی باتیں ہیں۔ اکتسابی خواص کم از کم اس شکل میں یا اس حد تک موروثی نہیں ہوتے کہ ماہرین عمرانیات یا سیاسیات کے لئے مفید مطلب ثابت ہوں۔ برخلاف اس کے فطرت انسانی کا سارا سرمایہ، جبلتیں، ہیجانات، خواص، رجحانات جن سے ہمارے مدبرین کو نپٹنا پڑ رہا ہے یہ سب کا سب عملاً آج بھی وہی ہے جس سے نہ صرف [illegible] اور بخت نصر بلکہ پتھر جگ کے سرداران قبائل کو کام لینا پڑا تھا۔ ہر نوزائیدہ بچہ جس حد تک کہ اس پر قبل ولادت کے اثرات نہ پڑے ہوں، آج بھی عملاً پتھر جگ کا بچہ ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد ہم پیش نظر مسئلہ کی وسعت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ دراصل جدید دنیا میں ایک وحشی انسان کے پاس صحیح تربیت کے [illegible] بڑے پیمانے کی دنیا میں چھوٹے پیمانے کے انسان کے زندگی بسر کرنے کا مسئلہ ہے۔ ہم میں سے ہر شخص چھوٹے پیمانے کا مرد یا عورت ہے۔ ہم میں سے ہر فرد اپنے اندر ایک موروثی ترکیب رکھتا ہے جو ہماری شخصیت کے لئے خام مال کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ترکیب اس زمانے سے جب کہ نوع انسانی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم تھی اور ہر گروہ بہت تھوڑی جگہ میں زندگی گزارتا تھا، پشتہا پشت سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔ اب ہم یہ توقع کیونکر رکھ سکتے ہیں کہ پتھر جگ کی ساخت انحصار باہمی کے اس دور کے حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کر سکے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی تاریخ کے تجربہ کو دیکھتے ہوئے تو ایسی مطابقت ناممکن نہیں ہونا چاہئے۔ اگر انسان اپنی پتھر جگ کی ساخت کے باوجود یعنی اہل روس اور انگریز اور فرانسیسی اور ممالک متحدہ امریکہ اور دولت مشترکہ برطانیہ کے شہری بن گئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی حد نظر اور معاشرتی شعور اور معاشرتی ذمہ داری کے دائرہ کو وسیع تر بنا کر ساری دنیا کو اس کے حلقہ میں کیوں نہ لے لیں۔ سب سے مشکل قدم پہلا قدم تھا جب کہ انسان غاروں سے نکل کر دیہاتوں میں آباد ہوا اور خون کے تعلق کے علاوہ پڑوس کے تعلقات اس نے پیدا کئے اور غور کیجئے تو دیہات (یعنی تقسیم عمل، دولت پیدا کرنے والوں، تاجروں اور صناعوں کی بدولت) پہلے ہی سے ایک چھوٹی سی دنیا ہے۔ تاہم صنعتی انقلاب کے بعد جو چھ سات قرن گزرے ہیں ان کی سیاسی تاریخ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ انسان کو عالمگیر [illegible] کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور تاوقتیکہ ہم ان مشکلات کی نوعیت سے واقف نہ ہو جائیں اور ان کی وسعت کا اندازہ نہ کر لیں ہم اس مسئلہ کا حل دریافت کرنے میں زیادہ ترقی نہیں کر سکتے۔ آج ہم جس الجھن میں اپنے آپ کو پاتے ہیں اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۹ء اور اس کے بعد "بین الاقوامیت" کے اکثر پرستاروں نے اپنے راستہ کی ان پوشیدہ دشواریوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ بعض اصولوں کا پرچار کرنا اور یہ فرض کر کے کہ "بین الاقوامیت" معمولی مرد و زن کو سازگار ہوگی [illegible] پیش کر دینا نہ صرف تحصیل حاصل ہے بلکہ اس سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایسی مخالف تحریکیں شروع ہو جاتی ہیں جن کی قوت محرکہ فطرت انسانی کی گہرائیوں میں موجود رہتی ہے۔

اس مسئلہ کے حل کا صحیح طریقہ نہیں ہے کہ انسانوں کے سامنے "عالمگیر اتحاد" کی کوئی ڈھیلی ڈھالی تجویز پیش کر کے اس کی تائید حاصل کی جائے۔ اگر اس طرح کوئی مرحلہ طے بھی ہو گیا تو بعد ازاں اس کی تائید اور شکست کی صورت بہ نسبت معکوس ہوتی ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ دوسرے سرے سے شروع کر کے یہ پوچھا جائے کہ ہماری بندھی ہوئی معاشرتی اور سیاسی عادات اور انتظامات میں وہ کم سے کم تبدیلی کیا ہو سکتی ہے جس سے ہمارے انسان اس معیار اقتدار اور افراط اور انحصار باہمی کے تقاضوں سے بہرہ مند ہو سکے۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ تبدیلی کی نہیں بلکہ ایسے کم سے کم تغیر کی ضرورت ہے جو چھوٹے پیمانے کے انسان کو اس قابل بنا سکے کہ وہ بڑے پیمانہ کی دنیا کے مادی فوائد اور ان سے پیدا ہونے والے بہتر زندگی کے امکانات سے فائدہ بھی اٹھا سکے اور کوئی اندرونی ناگواری بھی اس میں پیدا نہ ہو اور جیسی انقلابی [illegible] جاپان سے لے کر مشرقی افریقہ کے باشندوں میں پیدا کر دیا ہے۔ اس کا خطرہ بھی اس کو لاحق نہ ہو۔

اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ مسئلہ ایک حد تک قابل انتظام معلوم ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور ہمیشہ رہے گی کہ زیادہ تر ہماری اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ایسے چھوٹے پیمانے کے معاشروں میں بسر ہوگا جن کے ہم سازگار ہوں لیکن اس کی وجہ سے زمانہ سابق میں بڑے پیمانے کے سیاسی اور معاشرتی اداروں کا نشوونما منقطع نہیں ہوا اور کوئی وجہ نہیں کہ آئندہ بھی ان میں مزید ترقی کیوں نہ ہو۔

دیہات کا بقال۔ دارالعوام کے [illegible] جہاں سے کہ تمام دنیا پر حکومت ہوتی ہے، [illegible] کیا ہوا پولیس کا جوان اور مجلس اقوام کا عامل ان سب کے متعلق ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ یہ چھوٹے پیمانے کے انسان ہیں۔ لیکن اس وجہ سے آخر الذکر دو اشخاص کے روزانہ فرائض کی انجام دہی میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ آج جس مطابقت کا مطالبہ انسانوں سے کیا جاتا ہے وہ اس سے کہیں کم مشکل ہے جو ابتدائی دور میں انہیں کرنی پڑی تھی اور جس سے وہ کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ زمانہ سابق میں ایک وقت ایسا ضرور آیا ہوگا جب دیہاتی بقال کا کوئی بچہ "باشعور انگریز" بن گیا ہوگا۔ اس وقت اسے جس وسعت نظر سے کام لینا پڑا ہوگا وہ اس سے کہیں زیادہ تھی جس کا مطالبہ آج کے بقال سے کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ جس طرح برطانوی محب الوطنی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ڈیون شائر کا ایک بقال یارک شائر والوں میں جا کر رہے اسی طرح ہم کسی معمولی فرد سے یہ مطالبہ نہیں کر رہے ہیں کہ وہ "غیر ملکیوں" میں زندگی گزارے۔ ہم تو صرف اس قدر چاہتے ہیں کہ معمولی فرد اپنے بعض فرائض شہریت کی انجام دہی میں وسعت نظر کی عادت پیدا کرے اور یہ یاد رکھے کہ بیسویں صدی کے معاملات عامہ معاملات عالم بن چکے ہیں۔

جس حد تک بنی نوع انسان کی اکثریت کا تعلق ہے اگر وہ صرف مذکورۂ بالا ذہنی عادت ڈال لیں تو یہی ہمارے پیش نظر مسئلہ کی ضروریات کے لئے کافی ہوگا۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر انسان ہر وقت عالمی شہریت کی [illegible]۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ترقی یافتہ [illegible] نظام حکومت رکھنے والے ملکوں کے اکثر شہری صرف تھوڑی سی دیر کے لئے جب کبھی ہم [illegible]

(باقی صفحہ [illegible] پر)

مسٹر جناح اور راجہ جی کی ملاقاتیں

بمبئی میں مسٹر راجگوپال اچاری کی جانب سرگرمیوں سے ملک کی سیاسی رفتار کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مسٹر راجگوپال اچاری نے نانی تال اور دیگر مقامات کا دورہ ختم کرکے جب وارد بمبئی ہوئے تو سیاسی حلقوں میں قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں۔ اور ان قیاس آرائیوں میں اور اضافہ ہو گیا جب وہ گاندھی جی سے گفتگو کرنے کے بعد بمبئی آئے بمبئی میں ان کی تقریریں اور مسٹر جناح سے ان کی ملاقاتیں یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ مسٹر راجگوپال اچاری اپنے ارادہ میں مضبوط ہیں۔ بمبئی سے وہ واردھا روانہ ہوئے تاکہ گاندھی جی کو وہ ساری گفتگو سنائیں جو مسٹر جناح سے ہوئی۔ کانگریس کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہونے تک یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ مسٹر راجگوپال اچاری اور گاندھی جی کے مابین اس دوسری ملاقات میں کیا مشورے ہوئے۔ اس وقت تو ہر شخص یہ جاننے کے لئے بے چین ہے کہ مسٹر جناح اور مسٹر راجگوپال اچاری کے مابین کیا گفتگو ہوئی اور وہ کیا نتیجہ پر پہنچے۔ اور جب تک ان دونوں قائدین میں سے کوئی ایک پبلک کو اعتماد میں لینا نہ چاہے کوئی مستند رپورٹ حاصل نہیں ہو سکتی مگر فی الحال اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

مشترکہ امور

اگرچہ مسٹر راجگوپال اچاری نے اس گفتگو کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی جو مسٹر جناح سے انہوں نے کی تھی مگر اپنے بیان کا احباب سے گفتگو کے دوران میں جو اشارے انہوں نے کئے ہیں ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا سفر بمبئی رائیگاں نہیں گیا۔ بلکہ ہم ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسٹر راجگوپال اچاری ان کے اپنے نقطہ نظر سے اس گفتگو کی نسبت مطمئن تھے۔ انہوں نے مسٹر جناح سے تین بار ملاقات کی اور ہر ملاقات میں طویل گفتگو ہوتی رہی یہ نتیجہ اخذ کرنا حق بجانب ہوگا کہ اس گفتگو کی نوعیت محض ابتدائی نہیں تھی بلکہ مسائل سے متعلق تھی۔ اس نازک گفت و شنید کی تفصیلات میں گئے بغیر مسئلہ زیر بحث کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالنی ممکن ہے جو مسٹر جناح اور مسٹر راجگوپال اچاری کے مابین مشترک ہیں۔ وہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ ہندوستان کو چاہئے کہ جاپانی حملے کی ہر ممکنہ طریقہ سے مدافعت کرے۔ وہ دونوں بیرونی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں۔ وہ دونوں مسٹر گاندھی کے اس مطالبہ کی تائید نہیں کرتے کہ برطانیہ فوراً ہندوستان سے چلا جائے اور ملک انتشار کا شکار ہو جائے۔ دونوں اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ مسٹر گاندھی اس وقت کوئی تحریک شروع کریں۔

سمجھوتہ کی خواہش

اسی طرح دونوں لیڈروں کی خواہش ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں اور کانگریس و لیگ کے مابین سمجھوتہ ہو جائے۔ اس مرحلے پر مسٹر راجگوپال اچاری نے کہہ کر بچے [illegible] کی بابت یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ وہ ایسے سمجھوتہ کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ ایسے سمجھوتہ کے فقدان کی وجہ سے نہ تو جاپان کا موثر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہندوستان کو سیاسی نجات مل سکتی ہے۔

مسٹر جناح دوبارہ یہ خیال ظاہر کر چکے ہیں کہ وہ سمجھوتہ کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ پاکستان کا اصول تسلیم کر لیا جائے۔ ان کا اس بات پر اصرار کہ سمجھوتہ کی گفتگو شروع کرنے سے پہلے تقسیم کا اصول تسلیم کر لیا جائے۔ اب تک گفتگوئے مفاہمت میں حائل تھا مگر مسٹر راجگوپال اچاری اس اصول کو تسلیم کرنے تیار ہیں۔ اور بھی وجوہ ایسے ہیں جن کی بنا پر مسٹر جناح سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بین الاقوامی حالات کی رفتار جنگ کو ہندوستان سے قریب تر لا رہی ہے۔ ان حالات کے مقابلہ میں ملک کے اندرونی مسائل کی اہمیت گھٹ جاتی ہے۔ قبل اس کے کہ ہندوستان میں کوئی نازک صورت حال پیدا ہو کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے کانگریس نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ ہندوستانی آبادی کے کسی حصہ کو اس بات پر مجبور کرنا نہیں چاہتی کہ وہ مجوزہ ہندوستانی وفاق میں شریک رہے۔ مسٹر راجگوپال اچاری کہتے ہیں کہ ہندوستان کے ایسے علاقے اگر وہ اصرار کریں تو علحدہ کر دئے جا سکتے ہیں مگر انہیں امید ہے کہ وہ اس طرح اصرار نہیں کریں گے۔

باور کیا جاتا ہے کہ مسٹر راجگوپال اچاری نے بمبئی میں اپنے احباب سے یہ کہا ہے کہ مسٹر جناح سے ملاقات کرنے کے بعد انہیں آخر الذکر کے نقطہ نظر اندیشے اور شبہات سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ بہ الفاظ دیگر شاید وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انہیں اب ٹھیک طور پر معلوم ہو گیا کہ مسٹر جناح کس چیز سے مطمئن ہو سکیں گے۔ گو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آیا مسٹر جناح نے اپنے مطالبات کاغذ پر قلمبند کر دئے ہیں اس میں شک نہیں کہ ابھی بہت سی تفصیلات غور طلب ہیں۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ مسٹر جناح کے نقطہ نظر اور مسٹر گاندھی کے فارمولا میں جو خلیج حائل تھی وہ پاٹی جا سکتی ہے۔ گو یہی بات اس خلیج پر صادق نہیں آتی جو مسٹر راجگوپال اچاری اور کانگریس کے نقطہ نظر میں حائل ہے۔ گذشتہ دو ماہ میں کوئی ایسی بات وقوع پذیر نہیں ہوئی جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ کانگریس یا مسٹر گاندھی راجگوپال اچاری کے نقطہ نظر سے قریب تر آگئے ہیں۔ اگر مسٹر راجگوپال اچاری مسٹر گاندھی کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ ایک بڑا معجزہ ہوگا۔

(ٹائمز آف انڈیا)

اخبار مملکت
میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

محاذ مصر

جماعت وفد میں اختلاف

قاہرہ ۱۰ جولائی ۔ شنبہ کی صبح کو مصر کی جماعت وفد میں سخت اختلاف پیدا ہوا۔ جبکہ مکرم عبید پاشا کو جو ۱۸ سال سے وفد جماعت کے جنرل سکریٹری اور دو دفعہ مصر کے وزیر مالیہ رہ چکے ہیں اور جو حال تک وزیر اعظم مصر نحاس پاشا کے دست راست تھے برطرف کر دیا گیا۔ ان کے اخراج کا سبب یہ بتایا گیا ہے جو مجلس عاملہ وفد کے ایک طویل جلسہ کے بعد شائع ہوا ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ وفد کے اصولوں سے ہٹ گئے تھے اور انہوں نے جماعت کے صدر اور اراکین پر اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی کرنے کا الزام لگایا تھا۔

رجب حنا کو بھی جو جماعت وفد کے ایک بہت قدیم رکن تھے خارج کر دیا گیا۔

جماعت وفد کی مجلس عاملہ تھوڑی دیر بعد پھر منعقد ہوگی تاکہ دوسرے اراکین کے خلاف جو جماعت کے اصول سے رو گردان ہو گئے ہیں کارروائی کرے۔

نحاس پاشا نے ایوان کے ایک خفیہ اجلاس میں شنبہ کے روز موجودہ صورت حال پر ایک اجمالی بیان دیا۔

جرمن مورچوں پر حملہ

قاہرہ ۱۰ جولائی ۔ آج مشرق وسطیٰ کے اعلامیہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ کل تمام دن ہمارے طلایہ گردوں نے دشمن کو پریشان کیا خاص کر محاذ کے جنوبی منطقہ میں۔ جمعہ کی شب میں جرمنوں کے مورچوں پر ایک کامیاب حملہ کیا گیا جس میں کئی توپیں برباد کی گئیں۔ دشمن کے چند سپاہی مارے گئے اور قید کئے گئے۔ کل کسی حد تک گرد و غبار کا طوفان ہوائی حملوں میں حارج رہا لیکن ہمارے بمبار جنگجو طیارہ والوں نے الدابا میں دشمن کے طیارے اترنے کے میدانوں پر کامیاب حملہ کیا اور طیاروں پر راست ضرب لگائی۔ دشمن کی منتشر موٹر گاڑیوں پر بھی کامیاب حملے کئے گئے۔ ان حملوں کے اثنا میں اور نیز ہمارے جنگجو طیاروں کی طلایہ گردی کے دوران میں دشمن کے ۳ طیارے مار گرائے گئے اور ایک آتشزدگی سے برباد گیا۔ گذشتہ شب اسکندریہ کے رقبہ پر دشمن کے تین طیارے حملہ آور ہوئے لیکن کوئی نقصان نہیں ہوا تھا ایک مار گرایا گیا اور ایک کو ہمارے جنگجو طیارہ والوں نے نقصان پہنچایا۔ جب ہمارے طیاروں نے شنبہ کی شب میں سینا پر حملہ کیا تو بڑی آتشزدگی ہوئی۔ ان تمام دیگر حملوں سے اور نیز ان کے حملوں سے ہمارے ۶ طیارے واپس نہیں آئے۔

حکومت مصر کی احتیاطی تدابیر

قاہرہ ۹ جولائی ۔ موجودہ فوجی صورت حال سے کسی ناگہانی پیدا شدہ ضرورت کا مقابلہ کرنے کے لئے مصر نے مزید احتیاط اختیار کی ہے۔ دیہداروں کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ وہ چند روز کے اندر اندر بادشاہ جو بیت میں اور گورنر اور نائب گورنروں کو اس ضمن میں غیر معمولی اختیارات عطا کئے گئے ہیں تمام ملک کے ریلوے کارخانوں کو [illegible] حملوں سے بچانے کے لئے مزید کارروائیاں کی گئی ہیں۔

مصر کے وزیر اعظم نحاس پاشا نے [illegible] شاہ فاروق سے ملاقات کی۔ [illegible]

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

نئے آرڈر کے ایک ضمیمے میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ بجلا وطن ہونے والوں کے اگر حسب ذیل چیزیں بھی پناہ گزینی کیمپ میں لے جائیں تو مناسب ہے۔

(۱) ڈبے کی بند غذا مثلاً سارڈین، سالمن وغیرہ
(۲) بسکٹ، صابون، تولیے، کتابیں
(۳) گدے، تکیے، دریاں۔
(۴) اگر بجلی کا بلب موجود ہو تو ایک لاسٹک سٹ۔
(۵) ایک برقی کیتلی

ان ہدایتوں کو پڑھ کر ایک صاحب نے جو سفال پوش مکان میں رہتے ہیں غالب کی یہ رباعی لکھ بھیجی ہے

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے لیکن غالب
خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

برطانوی ہند کے ایک مرہٹی اخبار میں مسٹر این سی کیلکر صدر ہندو مہا منڈل کا ایک مکتوب شائع ہوا ہے جو آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے مستقبل کا موسومہ ہے۔ اس خط میں مسٹر کیلکر تحریر کرتے ہیں۔

”آپ جانتے ہیں کہ کس قدر دقت اور مایوس کن حالات میں ہمارا منڈل حیدرآباد ریاست کی قابل رشک قیادت میں اپنا پرچم بلند رکھنے کی کوشش کر رہا ہے ہم اس بات کو شکر کے احساس کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر برطانوی ہند کے ہندو عزم راسخ اور استقلال کے ساتھ ہماری مدد نہ کرتے تو ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکتا تھا“

بلی تھیلے سے باہر نکل پڑی۔ اب ہماری سمجھ میں آیا کہ ہندو منڈل کیوں شور کر رہا ہے کہ حیدرآباد میں مقامی زبانوں کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ ہندو تہذیب کا خون ہو رہا ہے“ دراصل ”وہ اپنے آقا کی آواز“ ہیں

”جب تک ہم تعلیم نسواں کے صحیح امتزاج کو حاصل نہ کریں ہمارے ہاں بھی اسی طرح نسوانیت کے روحانی منافع برباد ہوتے رہیں گے جس طرح کہ آج مغربی ممالک میں بیرونی پیشوں کی تعلیم حاصل کر کے عورتیں مردوں کے مقابلہ پر آ گئی ہیں جس کے نتیجے کے طور پر مردوں میں بے کاری بڑھ رہی ہے۔ شادیوں کی تعداد گھٹ رہی ہے اگر خود زندگی میں انتشار اور کئی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ عورت کو مرد کا مقلد نہیں بلکہ اس کا شریک اور رفیق بننا چاہیے۔ اگر عورتیں اپنی شخصیت کو غیر نسوانی طریقہ پر نشو و نما دیں تو سماج اور تمدن کے لئے ایک المیہ ہوگا۔

(مسٹر لیلمنی رنجن سرکار)

مگر اس میں عورتوں کا کیا قصور ہے؟ وہ وہی چاہتی ہیں جو مرد چاہتے ہیں وہی عورتیں کر دکھاتی ہیں۔ سچ کہا تھا ”ترجمان حقیقت“ نے

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

پنڈت جواہر لال نہرو نے ڈسٹرکٹ پولیٹیکل کانفرنس علی گڑھ کی صدارت کرتے ہوئے کاشت کاروں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

میں کاشت کاروں کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں بار بار بہاؤں کے جلسوں میں شریک نہ ہونا چاہیے بلکہ اپنا پورا وقت اپنے پیشے کے لئے وقف کر دینا چاہیے۔ تم ”انقلاب زندہ باد“ کا نعرہ لگاتے رہو۔ انقلاب ایک غیر یقینی سی چیز ہے۔ انقلاب سے ہماری حالت ممکن ہے کہ بدتر ہو جائے۔ اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ انقلاب کیا چیز ہے تمہیں یہ نعرہ نہ لگانا چاہیے بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟ (احسنی دیڈ پریس)

پنڈت نہرو کی اس شورا شوری کے بعد اس بے نمکی کو دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ انقلاب کیا چیز ہے اور ہمیں یقین ہو گیا کہ انقلاب کوئی غیر یقینی چیز نہیں۔ انقلاب زندہ باد۔ پنڈت نہرو کی جے!

خان عبد الغفار خان مجلس عاملہ کانگریس کے جلسے میں شریک ہو رہے ہیں۔ (ایک خبر)

معلوم ہوتا ہے کہ گاندھی جی کی تقلید میں سرحدی گاندھی بھی کانگریس سے علیحدہ بھی ہیں اور کانگریس میں شریک بھی ہوتے ہیں۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ گاندھی جی کو کانگریس سے باہر رہنے کے باوجود کانگریس کی قیادت حاصل ہے اور سرحدی گاندھی کی اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں کہ

بیکار مباش کچھ کیا کر

مسٹر رام کشن راؤ نے ہندوستان میں تہذیبی امتزاج پر ایک پر از معلومات تقریر کی۔ موصوف نے قدیم ہندوستان سے زمانہ حال تک کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلایا کہ کس طرح یہاں آ کر بسنے والی مختلف قوموں کی تہذیبوں میں باہمی میل جول اور اختلاط سے امتزاج پیدا ہوا۔ موصوف نے کئی مثالیں دے کر یہ ثابت کیا کہ یہاں صرف تہذیب طرز زندگی، زبان، سیاست نہیں بلکہ مذہبی اعتقادات میں بھی ایک امتزاج پایا جاتا ہے جس کو ہر شخص بآسانی محسوس کر سکتا ہے۔ (اورینٹ پریس)

مگر مسٹر رام کرشن راؤ صدر آندھرا کانفرنس نے اپنے خطبہ صدارت میں تہذیبی امتزاج کے نظریہ کے خلاف فرمایا تھا کہ تلنگانہ کو قدیم تہذیبی اساس کی بنا پر ایک علیحدہ علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ مسٹر رام کرشن راؤ اور مسٹر رام کرشن راؤ کے خیالات میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔

بات یہ ہے کہ جب پاکستان کی مخالفت مقصود ہوتی ہے تو تہذیبی امتزاج کا نظریہ پیش کر کے ہندوستان کو ایک ناقابل تقسیم وحدت اور ایک قوم ثابت کیا جاتا ہے مگر جب اسی تہذیبی امتزاج کے اصول پر اردو جیسی مشترکہ زبان کو حیدرآباد میں سرکاری زبان قرار دیا جاتا ہے تو اس کی مخالفت میں قدیم تہذیبی اساس پر حیدرآباد کو تین تہذیبی منطقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ مقصد ایک ہے مگر محاذ دو ہیں ــــــ ایک خارجی اور ایک داخلی۔ خارجی محاذ پر ایک قوم اور ایک تہذیب کا راگ الاپا جاتا ہے اور داخلی محاذ پر مختلف تہذیبوں کی جداگانہ حیثیت کا ذکر کیا جاتا ہے اس میں کوئی منطقی تضاد نہیں ہے۔ یہ وہ اعلیٰ سیاسی حکمت عملی ہے جس کی ہم داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

بازار میں طلب سے زیادہ رسد ہونے کے باوجود اجناس کی اس تھرگرانی کی بادی النظر میں کوئی وجہ نہیں ...... دنیا کی قیمتوں میں اضافہ اس قدر کبھی نہیں ہوا۔ اس اجناس کی قیمتوں میں اس قدر کیوں اضافہ ہوا یہ سوال حکومت کی توجہ کا مستحق ہے۔

(رعیت)

حکومت کی توجہ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا اس کی توجیہ تو صرف مرزا تقی صاحب، احمد خاں صاحب رکن، یولیس کمشنر و دل محمد ہی کر سکتے ہیں۔ اگر صاحب موصوف ایک اور بیان جاری کر دیں تو یقین ہے کہ سارا ملک مطمئن ہو جائے گا۔

مقالات اقبال

علامہ سر اقبال رح کے تمام مضامین و مقالات کا مجموعہ زیر طبع ہے عنقریب احمدیہ پریس چار مینار حیدرآباد دکن سے شائع ہوگا۔

ریاست ہائے ہند کا مستقبل

ریاستوں کی ایک علیحدہ یونین کا مطالبہ

دستورِ ہند سے متعلق سر اسٹیفورڈ کرپس کی تجاویز شائع ہونے کے بعد ریاست ہائے ہند کے وزراء کی کمیٹی نے دستوروں کے معاہدات، حقوق، ان کے مراعات، اصلاحات اور ان کی تکمیل کے دیگر امور کی نسبت ایک رپورٹ تیار کی اور یہ رپورٹ ایوان روسائے ہند کے اراکین کے پاس تنقید و تبصرہ کے لئے روانہ کی گئی۔ روسائے ہند کے اراکین کی آراء کو ایوان کی خفیہ کانفرنس کے سامنے پیش کیا گیا۔ ذیل میں ان آراء کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

جنگ شروع ہونے کے بعد سے ہندوستان کے آئندہ دستور کے مسئلہ میں وقتاً فوقتاً تبدیلی ہوتی رہی اور اختتام جنگ پر کرپس کے اعلان میں بعض اہم تبدیلیاں کی جائیں۔ اس وقت جو کوئی بھی اسکیم مرتب کی جائے وہ بالکل عارضی ہوگی۔ یہ امر یقینی ہے کہ آئندہ دستور جس کے تحت ہندوستان کو آزادی دی جائے گی ہندوستان کا ایک دستور مرتب کیا جائے گا، اور اس دستور کی تشکیل کے لئے ایک ایسی مجلس قائم ہوگی جس میں برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے مختلف فرقے اور مفادات شریک ہوں گے۔ ریاستوں کی جانب سے جو تجاویز پیش کی جائیں وہ ایسی ہونی چاہئیں جن کو برطانوی ہند کے دستور پسند کریں جو ہندوستانی ریاستوں کے نظام کی تائید کرتے ہیں۔

ایک بنیادی اصول

دستوری مباحث میں اس عالمی جنگ سے پیدا ہونے والے مسائل جیسے جنگی وقت ختم ہونے کے بعد آئندہ معاشی، اقتصادی و سیاسی تعمیر جدید وغیرہ زیادہ اہمیت حاصل کریں گے اور ریاستوں سے متعلق ان سوالات کی اہمیت ماند پڑ جائے گی جو قانونِ حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء کی تدوین کے وقت درپیش تھے۔ نظام جدید ریاستوں کو اپنا موقف متعین کرنے سے پہلے ایک بنیادی مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق معاہدات اور حقوق سے ہے۔ اس سوال کی نسبت کرپس کی تجاویز میں سابقہ اعلانات سے بالکل مختلف بیان دیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تاج برطانیہ سے اس مسئلہ پر گفتگو کی جائے اور مستند طریقہ سے یہ معلوم کیا جائے کہ آیا اس میں کوئی تغیر ہوا ہے اور جدید حالات میں معاہدات کو نافذ کرنے کے لئے کون سے اصول اختیار کئے جائیں گے اور نفاذ معاہدات کا طریق کیا ہوگا۔ ایسی وضاحت کے بغیر ریاستیں کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان کی زندگی اور موت کا ہے۔ اگر یہ واضح ہوا تو کچھ مشکلات ضرور پیدا ہوں گی۔ اس کے علاوہ ان تجاویز کا خصوصی طور پر سر اسٹیفورڈ کرپس کی اسکیم کے سلسلہ میں بالکل ایک ہی طرح ہے اور یہ ہم لوگ اس کی تائید کر سکتے ہیں کہ جو دستور کی صورت متعین کرے گا۔

مستقبل کا مسئلہ

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ جات اور ریاستوں کو ان کی موجودہ صورت میں ایک یونین سے زیادہ وفاق قائم کرنے کا حق حاصل ہوگا یعنی وہ یونین سے باہر رہنے کا حق رکھیں گی۔ اس سے متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً کیا ہندوستان میں اس قسم کے چار وفاق یا یونین قائم ہو جائیں گے یا برطانوی وفاق یا یونین کا یہ مقصد ہوگا کہ صرف برطانوی صوبہ جات سے مل کر ایک یونین بنایا جائے؟ یا کوئی وفاق ایسا ہوگا جس میں ایسی صوبے شامل ہو سکیں؟

کیا یہ گورنر جنرل سے بالاتر ہوگا؟ سر اسٹیفورڈ کرپس کی اسکیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں تقسیم کا مسئلہ نہیں ہوگا۔ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان حالات میں دستور کو کامیابی کے ساتھ کس طرح چلایا جائے گا۔ اتحاد پیدا کرنے والا ایک مرکزی اقتدار خواہ اس کا نام کچھ ہی ہو ضروری ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حکومت برطانیہ نے اس ملک میں اپنی کوئی ایسی ایجنسی قائم رکھنا خیال کیا ہے جو یونین سے باہر رہنے والی ریاستوں کے حقوق کی حفاظت کر سکے۔ بادشاہ خود دستور جدید میں یونین سے باہر رہنے والی ریاستوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے اقتدار اعلیٰ کی خفیہ انتظام کریں گے۔ چھوٹی ریاستوں کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ آئندہ یونین میں شریک ہو جائیں یا ریاستوں کی ایک علیحدہ یونین قائم کر لی جائے تاکہ یونین سے باہر ہو کر حکومت برطانیہ کی مداخلت کو بار بار صورت دی جائے جو کہ ممکن ہے کہ ہندوستان کے معاملات میں آئندہ مداخلت کرتا رہا ہے۔

ریاستوں کی آزادی

ہندوستان کی آزادی، موجودہ آبادی سے بالکل مختلف ہوگی اور ریاستوں کو ایک ایسی نو آبادی سے سابقہ پڑے گا جو اپنی نوعیت اور روش کے لحاظ سے کچھ اور ہوگی۔ ہندوستانی ریاستوں میں کسی وقت بھی حب الوطنی کا فقدان نہیں رہا ہے اور یہی اس مخلصانہ خواہش کا نتیجہ ہے کہ ریاستیں ہندوستان کو تقسیم سے بچانے کے لئے انتہائی کوشش کریں گی اور ہندوستانی یونین میں شریک ہونے کے لئے آخری وقت تک کوشاں رہیں گی۔ لیکن جو یہ سوچ کر اعلانات کر جاتے ہیں کہ ریاستیں بھلا دی گئیں اور ان کو جاری رہنے کی علامت سمجھا گیا، واقعہ یہ ہے کہ ریاستوں کو ہندوستانی قوم کا ایک منفرد حصہ سمجھا گیا جو قطع کر دینے کے قابل ہے۔ لہٰذا یہ بہتر ہوگا کہ ہم یہ تسلیم کر کے آگے بڑھیں کہ برطانوی ہند کے باشندے فی الحال وجود کے مخالف ہیں۔ ہمیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ اگر برطانوی ہند آزادی کا حق ہے اور اس کو آزادی جلد ملنی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ریاست ہند کو بھی دو آزادی دی جائے اور برطانوی ہند سے پہلے اس کا ریاست ہائے ہند کی ایک یونین قائم کرنے کے لئے ضروری قدم اٹھایا جائے۔ یہ ریاستیں اس کی قانونی یا پرانی حیثیت کا مطالبہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ تمام اقدامات کرنے کو تیار ہیں۔ یہ اقتدار اعلیٰ پر زیادہ انحصار کرنے کے مترادف ہوگا جیسا کہ سر اسٹیفورڈ کرپس کے بیان کے مطابق یہ اعلیٰ اقتدار ریاستوں کی اس طرح حفاظت نہیں کر سکتا جیسا کہ سابق میں کرتی تھی۔ یہ زمانہ ماتم کا وقت نہیں ہے اگر ہم قوی اور متحد ہو جائیں تو دوسرے ہمارے ساتھ منصفانہ اور مساوات کی بنیاد پر گفتگو کریں گے۔

ریاستوں کی یونین

بہرحال ہمارے خصوصی حقوق ریاستوں کی یونین کے متعلق برطانوی جو یہ حقیقت پائی جاتی ہے ان کے منشا مطابق قبیح پیدا ہونا کہ آیا اس خصوص میں کوئی موثر تحفظ حاصل کیا جا سکتا ہے اگر ہندوستان میں ایک زبردست واحد یونین قائم ہو جائے تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا کہ آیا گورنر جنرل کا موقف رہے گا یا ایسی یونین بلا مقصد ہو۔ قدرتی طور پر یہ ہوگا کہ خصوصی حقوق رکھنے والے طبقوں کی نیت ہمیشہ یہ ہوگی کہ ان کی وضاحت اس نتیجہ کو انخلاف ہو جائے گی کہ واحد یونین کے قیام کی صورت میں ان تحفظات کے باوجود جو ان سے متعلق ہیں ریاستوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ ایک یقینی بات ہے کہ معاہدات کی خلاف ورزی ہوگی اور ہندوستان کی آئندہ یونین جس سے تعلقات قائم ہوں گے اور یہ یونین ان کے حقوق اور مراعات کو برقرار رکھنے کی طرف مائل نہ ہوگی جن کا ہم تحفظ چاہتے ہیں۔ اس کا متبادل اور ناگزیر صورت یہی ہے کہ ریاستوں کی ایک علیحدہ یونین قائم کی جائے۔ اگر ریاستوں کی متحدہ یونین قائم ہوئی اور قوت حاصل ہوئی جو برطانوی ہند کے صوبوں کی طرح مساوی آزادی حاصل کر کے قائم رکھنا چاہتے ہیں کمزور ہو جائے گی۔ ریاستوں کی ایک زبردست اور واحد یونین کے مقابلے میں چھوٹی چھوٹی علیحدہ یونین پر سودا آسان ہوگا۔ اگر اس طریقہ عمل کی نسبت کوئی تصفیہ ہو جائے تو دستور کی تفصیلات مرتب کرنا یقیناً ممکن ہو جائے گا۔ .... اگر برطانوی ہند اور ریاستوں کی ایک زبردست اور واحد یونین تشکیل دی گئی تو یونین سے باہر رہنے والی ریاستوں کی حفاظت کے لئے تاج کی قوت حفاظت بے اثر ہو جائے گی اور یونین میں شریک ہونے والی ریاستوں کے خصوصی حقوق کی موثر حفاظت میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔

(بمبئی کرانیکل)

فی الوقت کوئی بڑی مہم شروع نہیں کی جائیگی

واردھا، ۵ جولائی۔ مجلس عاملہ کانگریس نے عام سیاسی صورت حال پر اپنے مباحث آج سہ پہر سوا گیارہ بجے شروع کئے۔ صبح میں مجلس عاملہ کا جلسہ واردھا میں ہوا۔ اور تین گھنٹے تک بحث ہوئی۔ اگرچہ اب تک اس کا کوئی اشارہ نہیں ملا کہ مجلس عاملہ کانگریسیوں کی بالعموم کیا قیادت کرے گی۔ ایک باخبر ذریعہ کے بموجب "اس کا قرینہ نہیں کہ کانگریس فی الوقت کسی بڑی مہم کا آغاز کرے گی البتہ ہندوستان اور بیرون کے واقعات کی رفتار کا احتیاط سے مطالعہ کرے گی اور اپنی سرگرمیوں کو صورت حال کے مقتضیات کے مطابق بنائے گی"۔

مجلس عاملہ غالباً جمعہ تک اپنے مباحث جاری رکھے گی

گاندھی جی نے اپنے لائحہ عمل کا ابھی اظہار نہیں کیا۔

ڈاکٹر بدھان چندر رائے، ڈاکٹر گلدر اور ڈاکٹر جیوراج مہتا بمبئی سے آج یہاں گاندھی جی کا معائنہ کرنے کے لئے آئے ہیں کی صحت اچھی نہیں ہے۔ ان کا وزن بیان کیا جاتا ہے پونڈ گھٹ گیا مجلس عاملہ کے اجلاس میں انھوں نے منگل دوپہر تک البتہ اپنی تجویز کی نسبت ارکان کے خیالات سنتے رہے جتایا جاتا ہے کہ کانگریس کا ہر نظام نامہ یا کار روائی کا لائحہ عمل صرف گاندھی جی کی طرف سے پیش ہونا چاہئے اور اس وقت تک انھوں نے اپنے لائحہ عمل کا اظہار نہیں کیا ہے۔

مملکت کا مطالعہ کیجئے

توسیع یافتہ وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل

اہم فرقوں اور صوبجات کی نمائندگی

نئی دہلی۔ ۲۰ جولائی (ا۔پ) ایک گزٹ کے مظہر ہے۔ ملک معظم کی حکومت نے حکومت ہند سے کہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو جنگی کابینہ اور بحرالکاہل کی جنگی کونسل میں ہندوستان کی نمائندگی کا انتظام کر سکتی ہے۔ اس دعوت نامہ کو حکومت ہند نے قبول کر لیا۔ اور گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے جناب آنریبل دیوان بہادر سر آرکاٹ راما سوامی مدلیار کا تقرر اس غرض کے لئے کر لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت ہز ایکسلنسی جانشین تاج کو تحریک کی گئی کہ وہ والیان ریاست میں سے ایک رکن کو دعوت دیں کہ جنگی کابینہ اور بحرالکاہل کی جنگی کونسل میں ہندوستان کی نمائندگی کرنے میں راما سوامی مدلیار کے ساتھ شریک ہوں۔ ہز ایکسلنسی نے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے مشورہ سے ہز ہائینس مہاراجہ جام صاحب نواں نگر کو دعوت دی کہ وہ اس حیثیت سے فی الحال کام کریں۔ اور ہز ہائینس نے اس دعوت کو قبول فرما لیا ہے۔

ایک پریس نوٹ میں بیان کیا گیا کہ جنگ چھڑ جانے کے بعد سے یہ دوسرا مرتبہ ہے کہ وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل میں توسیع کی گئی۔ جن کی کابینہ اور بحرالکاہل کی جنگی کونسل میں ہندوستان کی نمائندگی کی گنجائش نکالنے دفاع کے لئے ایک رکنیت کا عہدہ قائم کرنے اور مواصلات کے تنہا عہدہ اور زیادہ کام کو تقسیم کرنے کی ضرورت ان تمام کے حل اگزیکٹو کونسل کی موجودہ تعداد میں اور تین ارکان کا اضافہ کر دیا۔ ۱۹۴۱ء کی سابقہ توسیع کے مثل موجودہ توسیع کا مقصد بھی یہی ہے کہ انصرام جنگ میں ہندوستانی رائے عامہ کی نمائندگی کا قریبی تعلق قائم ہو اور موجودہ دستور کے ڈھانچہ کے اندر جنگی کام کے روز افزوں بار کا اہتمام کیا جائے۔

وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کے ارکان کی تعداد میں اب ۱۵ تک بڑھا لیا ہے۔ جن میں غیر سرکاری ہندوستانی ایک غیر سرکاری یورپین اور تین یورپین عہدہ دار ہیں جن میں سپہ سالار ہند بھی شامل ہے۔ جب جنگ شروع ہوئی تھی اس وقت کونسل کے ارکان کی تعداد (۷) تھی۔ جن میں ہندوستانی ارکان کی تعداد تین تھی۔ جولائی ۱۹۴۱ء میں پانچ جدید سررشتہ جات کی توسیع دی گئی۔ اور ان سررشتہ جات پر ہندوستانیوں کا تقرر عمل میں آیا موجودہ توسیع میں ہندوستانی ارکان کی اکثریت میں (۱۱) تک مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری اور ڈاکٹر امبیڈکر۔ ڈاکٹر کھرے ہندوستانی امارات اور رکن دفاع کی حیثیت سے سر فیروز خان نون۔ بحرالکاہل کی جنگی کونسل اور جنگی کابینہ کے رکن کی حیثیت سے سر آرکاٹ راما سوامی مدلیار اور گورنر آسام کی حیثیت سے سر محمد سعد اللہ کے تقررات اور سررشتہ مواصلات کی جنگی حمل و نقل اور ڈاک و تار اور ہوائی میں تقسیم ان تمام کی وجہ سے جو جگہ خالی ہوئی ہیں۔ ان پر (۶) جدید ارکان کا تقرر عمل میں آیا۔

فرقہ وارانہ نمائندگی۔

وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کی جس طرح کہ توسیع اور تشکیل عمل میں آئی ہے۔ اس کی وجہ سے پہلے مرتبہ سکھوں، پست اقوام اور غیر سرکاری یورپین فرقہ کی نمائندگی کا موقع ملا ہے کونسل میں جن اہم فرقہ جات کو اب تک یہی نمائندگی حاصل ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کے اہم فرقوں اور طبقوں کو نمائندگی مل چکی ہے جنہوں نے کہ موجودہ دستور کے تحت عائد شدہ شرائط کے اندر جنگی حکومت سے اشتراک عمل کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔

جغرافی حیثیت سے نمائندگی۔

جغرافی حیثیت سے کونسل مدراس، بنگال، بمبئی، پنجاب، صوبجات متحدہ، صوبجات متوسط اور بہار کا نمائندہ ہے۔ جام صاحب نواں نگر اور سر راما سوامی مدلیار کو جنگی کابینہ میں ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہوئے وہی حیثیت رہے گی۔ جو دیگر مقبوضات کے نمائندوں کی ہے۔

سر راما سوامی مدلیار جب لندن میں رہیں گے اس وقت ان کی وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کی رکنیت کا سلسلہ قائم رہے گا۔

سررشتہ دفاع کی تفصیل۔

سررشتہ دفاع میں حسب ذیل شعبہ جات تار رہیں گے۔

(۱) دفاع سے متعلق جملہ سوالات جن میں حکومت ہند کے سررشتہ جات سیول اور رکن جنگ کے کام کے مابین پالیسی کا اتحاد عمل یہ شعبہ سابق میں گورنر جنرل سے متعلق تھا۔

(۲) جنگ سے متعلق قانون سازی جس میں قانون تحفظ ہند اور اس کے تحت مدون ہونے والے قواعد۔

(۳) جہاں تک کہ افواج دفاع اور رضاکاروں کا تعلق ہے ان کو غیر مسلح کرنا اور مابعد جنگ تنظیم جدید۔

(۴) سپاہیوں میں بھرتی اس میں قومی خدمت کا تقرر نسق بھی داخل ہے (یورپین برطانوی رعایا)

(۵) افواج کے لئے سہولتیں اور ان کی بہبود۔

(۶) قومی دفاعی کونسل۔

(۷) رقبہ جات کنٹونمنٹ میں مقامی حکومت اختیاری کا دستور اور ایسے رقبہ جات میں عہدہ داروں کے اختیارات اور انتظام کے قواعد اور ایسے رقبہ جات کی حد بندی۔ اس میں ہندوستانی ریاستی افواج کے رقبہ جات کنٹونمنٹ داخل نہیں ہیں۔

(۸) دفاع کے اغراض کے لئے جو اراضی حاصل کی جائے اس کی نگرانی تحویل اور برخواستگی۔

(۹) جملہ اسلحہ کے پیداوار اور بارود کے ذخیروں حمل و نقل اور اس کے بنانے کے کارخانے میں ربط قائم کرنا اور اس میں دفاعی افواج کے لئے ضروری پٹرولیم بھی شامل ہے۔

(۱۰) اسیران جنگ۔

دفاعی اغراض کے لئے حمل و نقل کے روز افزوں مسائل نے جنگی حمل و نقل کے کا سررشتہ قائم کرنے والے ایک جدید سررشتہ کے قیام کو لازمی بنا دیا ہے۔ اس کی اصل ذمہ داری یہ ہوگی کہ سڑک اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ حمل و نقل کو ترقی دی جائے اور اس سے کام لیا جائے۔ اس سررشتہ میں ریلوے بورڈ کی ترتیبات ریلوے پٹرول راشننگ اور گیاس پروڈیوسر کی ترقی شامل ہیں۔

دوسرے اہم جو سابق میں سررشتہ مواصلات میں شامل تھے جن میں سب سے اہم شپنگ اور تار برقی سیول ہوائی جہازوں سے متعلق قانون سازی اور مرکزی روڈ فنڈ کا نظم و نسق یہ سب دوسرے سررشتہ میں شامل ہو جائیں گے جو سررشتہ ڈاک اور ہوائی کے نام سے موسوم ہوگا۔

مجلس عاملہ کانگریس کا اجلاس

گاندھی جی کی تجویز پر مباحثہ

وردھا ۱۸ جولائی مجلس عاملہ کانگریس کا اجلاس سیواگرام میں تین گھنٹہ کی نشست کے بعد شب کی سہ پہر تک ملتوی ہو گیا اور پھر آج صبح وارد ہا میں منعقد ہوگا۔

آج سہ پہر کی نشست سیواگرام میں منعقد ہوگی۔ سمجھا جاتا ہے کہ کل کے اجلاس میں مہاتما گاندھی نے برطانوی اقتدار کو ختم کر دینے کے متعلق اپنی تجویز کا بالاختصار ذکر کیا اور اس موضوع پر اپنے خیالات پیش کئے جس کی تاویل انہوں نے وقتاً فوقتاً ہریجن کے کالموں میں کی ہے۔ اس کے بعد ایک عام مباحثہ ہوا اور ممتاز ارکان کے بموجب بیان کیا جاتا ہے کہ تمام ارکان میں کامل اتفاق رائے ہے۔

ایک فارمولا کی تشکیل۔

سمجھا جاتا ہے کہ مجلس کے مباحثہ موجودہ نشستوں میں زیادہ تر ایک فارمولا کی تشکیل پر مرکوز رہیں گے جس کے ذریعہ مہاتما گاندھی کی تجویز روبہ عمل لائی جا سکے گی۔

حسب ذیل ارکان اور مہمان بھی اجلاس میں شریک تھے۔ خان عبدالغفار خان، مسٹر شنکر راؤ دیو، مسٹر آصف علی، ڈاکٹر سید محمود، پنڈت گوبند بلبھ پنت اور مسٹر ہری کرشن مہتاب۔ نامہ نگار پریس کو اطلاع ملی ہے کہ گاندھی جی نے آج سہ پہر کو سیواگرام میں کانگریس کی مجلس عاملہ کو دو گھنٹہ تک مخاطب کیا۔ سمجھا جاتا ہے کہ گاندھی جی نے اس امر پر زور دیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ جبکہ سب سے بڑی قومی جماعت کو اپنا اثر ڈالنا چاہئے اور اپنے مقصد کو روبہ عمل لانا چاہئے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ گاندھی جی نے مجلس کے ارکین کو اپنی تحریک کے خاکہ سے آگاہ کیا اور ان سے ان کی رائے مانگی۔ تاحال کانگریس نے اس ضمن میں مسائل پر رضامندی کے لئے گاندھی جی سے ملاقات کے مجلس عاملہ کی یہ نشست تین گھنٹہ سے زیادہ جاری رہی۔ صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد نے نامہ نگار ایسوسی ایٹیڈ پریس سے کہا کہ گاندھی جی نے آج کی نشست میں شرکت کی اور اپنے خیالات اور مشوروں سے ہم کو مستفید کیا۔ مجلس عاملہ میں بحث و تمحیص ہوئی اس کی نوعیت کی نسبت میں اب تک کوئی بیان دینا مناسب نہیں سمجھتا ہوں کیونکہ جب تک مباحث جاری ہیں کوئی قطعی فیصلہ کرنا قبل از وقت ہوگا۔

تہذیب کا مستقبل

بقیہ سلسلہ صفحہ (۴)

اپنے شعور کو "عالی" بنا لیا کریں، یہاں یہ بتا نا غیر ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں یہ فرض ہے کہ وہ ایسے مسائل کو عام شہریوں کے سامنے بڑی سادگی اور زود فہم شکل میں پیش کیا کریں۔ اب سے ایک قرن پہلے ایک مورخ پر جزل شمس نے کہا تھا کہ اگر جمہوری دولت مشترکہ کو ایک ہی رشتہ میں منسلک رکھنا ہے تو ان مسائل کو جن کے متعلق اتفاق رائے ضروری ہے سادہ سے سادہ شکل میں مرتب کرنا چاہئے۔ یہ قول ان مسائل پر جن کے متعلق ساری مہذب دنیا کا اتفاق رائے مطلوب ہے اور زیادہ صادق آتا ہے۔ یہ ایک لسانیاتی اور سیاسی حقیقت ہے جیسے سادہ لوح اقوام کے واسطہ کے مقابلہ میں میثاق کلاگ کے واضعین نے بہتر طریقہ پر سمجھا تھا۔

فرض کیجئے کہ ہم نے بقول برگس ایک معمولی شہری کے "پند ماشرہ" میں زندگی بسر کرنے کے رجحان کی رعایت خود ملحوظ رکھ کر اس کو ذہنی بارکس قدر ہلکا کر دیا۔ تب بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ہماری اس انحصار باہمی رکھنے والی دنیا کے روز مرہ کے بین الاقوامی مسائل کیوں انجام دے گا؟ یہ دنیا کی مرہٹہ اور دو اقوام کے ان ایک فی صد یا اس سے بھی کم شہریوں کا مسئلہ ہے جن پر "غیر ملکیوں" سے تعلق پیدا کرنے اور بڑے پیمانے کے ہم آہنگ حالات زندگی کے لئے جن پیچیدہ تر تدبیروں کی ضرورت پڑتی ہے ان کی تفصیل مرتب کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

یہ لوگ بقول تحصیلے "تیار آدم" ہوتے ہیں۔ ان کے ذمہ بین سیاحت کو، غیر ملکی نامزد گان، اجبارات جنہی رقابی نیا ج، آہر بین الیات، مرکز اور جماعتوں کے پادو سرے پیچیدہ شعبین مشغلین اور ترقیات اور دو سرے وہ لوگ شامل ہیں جو اپنی عادت یا رجحانات کی بدولت کسی نہ کسی حیثیت سے بین الاقوامی انسان بن گئے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو ہر وقت "کھلی دنیا" میں زندگی بسر کرتے ہیں خاص خاص صفات اور خاص ذہنی رجحان کی ضرورت ہے۔ ان میں سے بعض تو محض تجربے سے یہ چیزیں حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض کو ایک خاص قسم کی تعلیم سے ہی ان کی ترقی ابتدائی حال میں ہو جاتی ہے مدد ملتی ہے۔ اور بعض جوان میں سے بچوں کے افراد ہوتے ہیں ان میں یہ صفتیں پیدائشی طور پر پائی جاتی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں بعض ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو عام طور پر مذکورہ بالا صفات کے نااہل ہوتے ہیں، اور جن کے لئے بین الاقوامی فضا کے اندر خیر و جوگر اور غیر ملکیوں سے تعلق قائم کرنا صحت زار اور بد دماغی کا موجب بن جاتا ہے۔ یہی لوگ بین الاقوامی تعلقات کی راہ کے روڑے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اپنے افراد نظر کے ساتھ تعلقات میں پہلے ہی سے مضر ہوتے ہیں لیکن جیسی دیہات کی زندگی زیادہ راس آتی ہے ایسے ہی لوگوں کی موجودگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن افراد کا انتخاب "تمدن کو بین الاقوامی مسئلہ" اختیار کرنے کا ہو ان کے لئے ترقی رہبری کی کتنی شدید ضرورت ہے۔

قریبی مسئلہ

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے قریبی منظر کو بھی غور سے دیکھتے ہیں، اگرچہ اس کا تجزیہ اور تحلیل ان صفحات کا خاص مقصد نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں اس کی سب سے زیادہ پریشان کن خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک عالمگیر تعطل ہے۔ سیاسی، ذہنی اور اخلاقی عالمگیر تعطل۔

جو تاریخی اور عام تبصرہ سطور بالا میں کیا گیا کیا اس سے اس حالت تعطل کے اسباب پر کچھ روشنی نہیں پڑتی؟

سیاسی حالت تعطل اگرچہ سب سے زیادہ اہم ہے لیکن ہم اس سے بہت مختصر طور پر بحث کریں گے اور وہ مزید تجزیہ کی محتاج ہے بھی نہیں۔

جرمنی کے موجودہ حکمرانوں نے اپنے قومی ذرائع سے کام لیکر آج عملاً اور دیدہ و دانستہ جو عقیدہ اپنے انسانوں پر نازل کیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم کے کسی بڑے اقتدار گروہ میں نہیں ملتی۔ اٹلی کا اور معاملہ ان کے مقابلہ میں صاف اور بے داغ نظر آتا ہے۔ ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے اور صرف اس وجہ سے کہ ایسی صورت میں اخلاقی عنصر ایک فرض عام ہے بلکہ ان اسباب کی وجہ سے بھی جو اس طوفانی نظام کی تہ میں کام کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رائج الوقت فلسفہ جس کے زیر اثر یہ افعال سرزد ہوتے ہیں انسانی شخصیت کی ذرا پروا نہیں کرتا۔ وہ انسانوں کو دوسرے اغراض و مقاصد کے لئے آلہ کار سمجھتا ہے اور ان اغراض و مقاصد کو ٹٹولا جائے تو وہ سراسر غیر انسانی نظر آتے ہیں۔ غیر جرمن اقوام کو تو اس وجہ سے قربان کر دیا جاتا ہے کہ وہ جرمنوں کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں، لیکن خود جرمنوں کو بھی قربان کیا جاتا ہے اور وہ اس لئے کہ بحیثیت افراد کے وہ جرمنی کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ آخر یہ جرمنی کیا ہے۔ جو مرد و عورت، بچوں بلکہ خیر شوہرے بھی ماورا ہے! کیا یہ معنوی معنوں میں ایک بچہ نادیوتا ایک بچہ نامولوک نہیں ہے؟

اگر ہم اس اخلاقی مسئلہ کی اصل کو سمجھنا چاہیں جو آج ہم میں اور جرمنی کے موجودہ حکمرانوں میں وجہ اختلاف ہے تو انسان کی پوری مذہبی تاریخ پر تقریباً بازگشت ڈالنی ہوگی۔

لیکن جس مسئلہ سے ہمارا تعلق زیادہ قریبی ہے وہ دراصل اس حالت تعطل کا سیاسی پہلو ہے۔

جب ہم اس سطح پر اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارے نقطۂ نظر سے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بیسویں صدی کی فہم عامہ کے نقطۂ نظر سے کمیت پسند سلطنتوں کے حکمران اتنے پست اخلاق نہیں ہیں جتنے کہ قدامت پسند ہیں۔ ان میں ایک قسم کی اصلاحات رجعی کام کرتی نظر آتی ہے، جس کے زیر اثر وہ عہد جدید میں ایسے رجحانات اور مصالح داخل کر رہے ہیں جو دوڑن اور ولی الله کی یادگار رسوم ہوتے ہیں، اور جو آج کل کے واقعات اور طریقہ ہائے کار کو دیکھتے ہوئے لغو اور بے معنی ہیں۔

عہد افراط اور انتشار یا جنگ کے اس شباب میں یہ رنگ ہمت شاندار ولاس اور علیحدگی پسندی کی طویل صدیوں کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ وہ اب تک اقتدار سے حاصل کا قدرت یا اقتدار نہیں بلکہ انسان کا انسان پر اقتدار امر

رہتے ہیں۔ ہمسایہ ان کی نظروں میں آج بھی ایک چھپا ہوا دشمن ہے جوان کو ٹوٹنے کی گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اور اگر دو ہمسائے بھولے سے بھی دوست ہوں تو اور ان دو ممالک پر جنگ کا امکان پیدا ہو جاتا ہے اور یہی چیز زیادہ مبالغہ سے "حصار بندی" بن جاتی ہے۔ جو ممالک قدرتی وسائل سے بہرہ مند ہیں اور جن کو دنیا کے بازاروں میں فروخت کرنے کے لئے ان کے باشندے ہمہ تن آمادہ ہیں وہ اکثریت پسند ریاستوں کے حکمرانوں کی نظروں میں گویا ایسے خزانے ہیں جو ایک ہو کے جنگ جو قبیلہ سے بچا بچا کر رکھے جاتے ہیں۔ طلب اور رسد کے قوانین ان ملکوں میں، منسوخ ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ "بزن و بگیر" کا قدیم قاعدہ نافذ ہو چکا ہے۔ معاشیات ان معنوں میں جن میں گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ہم باشندگان مغرب اسے سمجھتے آئے ہیں اب متروک ہو چکی ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ اب وہ فن حرب کا ایک ضمیمہ بھی جاتی ہے۔ اب کوارٹر ماسٹر کا دفتر کلیت پسند ریاستوں کی ہماری کی ساری معیشت کا محور اور مدار ہے۔

کسی سمجھوتے کے ذریعے اس حالت تعطل سے نکلنے کی کوئی صورت اب ممکن نہیں ہے۔ اس جنگی تنظیم میں جو نوعی مرفہ الحالی کے لئے کی جاتی ہے اور بیسویں صدی کی زندگی کی معنوی تنظیم کے بین بین کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے کہ آج کی لڑائی "بھی" گی "ہوتی ہے"، وہ ہر قسم کے درمیانی شاملی کر نکل جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف یہی کر سکتے ہیں کہ اپنے ذاتی وسائل کو جو خوش قسمتی سے آج کل کے ان "علاقی پسند" لوگوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں استعمال کریں۔ ان کی اصلاحات رجعی کے جنون کی مقاومت منظم طریقہ پر اس اعتماد کے ساتھ کریں کہ بیسویں صدی کے حقائق کا تصادم بالآخر اسے ختم کر دے گا۔ اور یورپ کی چھوٹی اور بڑی قوموں کے درمیان معقولیت پسندی کی اور دوستانہ گفت و شنید کا سلسلہ پھر شروع کیا جا سکے گا۔

حاصل کلام یہ کہ آج کل سکھ یورپ کے سیاسی مسئلہ کا خلاصہ ایک جملہ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مسئلہ دراصل جرمن قوم کی سیاسی خامکاری کا مسئلہ ہے۔ جرمنوں کی اس خامکاری کے اسباب جرمن تاریخ بلکہ جرمنوں کی سیرت کی گہرائیوں میں ملتے ہیں۔ وہ سیرت جو تنومندی اور بردباری یا جیسا کہ میڈم اسٹیل نے ۱۸۱۳ء میں کہا تھا "پر جوش اطاعت پذیری" اور صحیح رومانیت اور جذبات کی ہیجان بینی کی عادت کا ایک عجیب مرکب ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج سے اسی برس قبل بسمارک کے زیر قیادت جرمنی نے مغرب کے دوسرے باشندوں کے ساتھ قطع تعلق کر کے ایک الگ راستہ بنا لیا تھا اور تب سے آج تک وہ چار یورپی جنگیں شروع کر چکا ہے۔

اس عجیب و غریب خامکاری یا کج روی کے اسباب کی تشریح کرنا یا اس کا علاج تجویز کرنا ان صفحات کی حد بحث سے تجاوز ہوگا۔ صرف یہی کہہ دینا کافی ہے کہ جب تک یہ کہنہ مرض علاج قبول نہ کرے گا اس وقت تک بین الاقوامی تعاون دشوار رہے گا، یورپ سیاسی انتشار کے ایک ہی افتادہ پر منتشر رہے گا اور جمہوری سلطنتوں کے زمرہ کو جو زیادہ ہولناک حالات پیدا ہونے پر قیاس کرنے سے بے ہمت ہو کے بیماری و تعصبات کو ختم کرنے اور امن کی پیدا کی ہوئی رچیں

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

دکھنی قومیت

بقیہ صفحہ نمبر (۱)

سلاطین آصفی

قطب شاہیوں کے بعد سلاطین آصفیہ نے اس جذبہ میں زیادہ خلوص کا رنگ چڑھایا۔ حضرت آصفجاہ اول نے اس چیز کو محسوس کیا کہ اس ملک کی قسمت یہاں کے بسنے والوں کے اشتراک عمل اور باہمی اتحاد سے بندھی ہے۔ اور اسے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔ ان ہی پر خلوص مساعی کا نتیجہ تھا کہ ان کے عہد میں لالہ من سارام اور لالہ لچھمی نارائن شفیق جیسے لوگ پیدا ہوئے جن کے کلام کو پڑھنے کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کسی ہندو کا کلام ہے یا مسلمان کا۔ اس دور کی معاشرت ہی ایسی تھی کہ ان دونوں فرقوں کے درمیان کم سے کم فرق باقی رہ گیا تھا۔ اس لئے کہ سب کا مفاد مشترک تھا۔ سب کا ملک ایک تھا۔ سب کی زبان ایک تھی۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ نصب العین ایک تھا۔

ہندوستانی تہذیب کا نمونہ

دکن ہمیشہ سے اپنی سیاسی وحدت کو قائم رکھتے ہوئے ہندوستانی تہذیب کا نمونہ بنا رہا۔ اس تہذیب کا جو ہندو و مسلمانوں کے میل جول سے بنی ہے اور جو تاریخ کی ایک مقدس میراث ہے۔ سلاطین آصفی شروع ہی سے جس طرح اس جذبہ قومیت کو فروغ دیتے رہے ہیں اس کی معراج ہم اس مبارک دور عثمانی میں دیکھتے ہیں۔ اس دور میں جذبہ قومیت اور احساس وطنیت کو ایک حیات تو نصیب ہوئی۔ مگر جیسا کہ دکن ہمیشہ سے بیرونی مداخلتوں کا آماجگاہ بنا رہا ہے اس دور میں بھی بیرونی تحریکیں زیادہ شدت کے ساتھ اپنا اثر ڈالتی رہی ہیں۔ لیکن اسی طرح اس کے خلاف ردعمل بھی ہوتا رہا ہے۔

دکھنی قومیت کا مقصد

جنگ عظیم کے بعد سے وطنی قومیت کی جو تحریک چلی ہے اس سے ہندوستان اور حیدرآباد بھی متاثر ہوا اور ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا جو دکھنی قومیت کے بجائے ہندوستانی قومیت کے تخیل کو اجاگر کرنا چاہتا ہے اور اس جذبہ کا مخالف ہے کہ ہندوستان کو کئی قومیتوں میں تقسیم کر کے ایک بلند تر نصب العین کو نقصان پہنچایا جائے۔ مگر ہندوستانی قومیت کی تحریک کے حامیوں کو یہاں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ دکھنی قومیت سے یہ مطلب نہیں ہے کہ مشترکہ ہندوستانی قومیت کی راہ میں رکاوٹ کا کام دے اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے اپنا رشتہ توڑ دے۔ اصل میں دکھنی قومیت کا مقصد یہ ہے کہ اپنی سیاسی وحدت کو قائم رکھتے ہوئے ایک عظیم تر ہندوستان کی تعمیر میں کوشش کی جائے اور اس بلند نصب العین کے حصول کی کوششوں کو کمزور کرنے کے بجائے انہیں اور تقویت دی جائے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشترکہ زبان کے ذریعہ ہندوستانی قومیت کی داغ بیل ڈالنے کا سہرا حیدرآباد ہی کے سر ہے۔ گذشتہ نصف صدی سے ایک مشترکہ زبان کو رائج کرنے کی جو کوششیں کی جا رہی تھیں ان کے خلاف جو ردعمل ہو رہا تھا وہ ہندوستان کی قومی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ مرحوم دہلی کالج اور مدرسہ سید اسکول کے کارکنوں نے جس نیک مقصد کے تحت اس تحریک کو شروع کیا تھا افسوس ہے کہ مخالف عناصر نے رفتہ رفتہ اسے پیچھے دھکیل دیا اور یہ خواب کہ یہی قومی زبان ذریعہ تعلیم عام کی جائے شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

مشترکہ تہذیب اور تمدن

ہندوستانی رہنماؤں کے لئے مشترکہ زبان اور اس کے ذریعہ مشترکہ تہذیب و تمدن کا مسئلہ بڑا پیچیدہ مسئلہ بن گیا۔ ہندوستانی قومی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ جدید علوم و فنون اور عالمی رجحانات کو عوام تک پہنچانے کے لئے ان کی اپنی زبان ہو جس کی وجہ سے مغربی تعلیم صرف چند ہندوستانیوں تک پہنچ سکتی تھی۔ اور ہندوستانیوں کی اس تک رسائی نہ ہو سکتی تھی اس مشکل مسئلہ میں حیدرآباد نے جامعہ عثمانیہ قائم کر کے سارے ہندوستان کی رہنمائی کی اور ہندوستانی قائدین کے اس خواب کو ایک مشترکہ زبان کو رائج کر کے ہندوستانی قومیت کی تعمیر کی جائے جیتا جاگتا کر دکھایا۔

جامعہ عثمانیہ

گذشتہ پچیس سال سے حیدرآباد نے مسلسل اس امر کی کوشش کی ہے کہ یہاں کے بسنے والوں کے درمیان جو بھی سماجی اور تمدنی دوری ہے جہاں تک ہو سکے کم کیا جائے ان کوششوں کا سب سے بڑا مرکز جامعہ عثمانیہ رہا ہے جہاں مشترکہ زبان کے ذریعہ مشترکہ قومیت کے احساس کی تربیت کی جاتی رہی ہے۔ اردو دو قوموں کی تہذیب و تمدن کے باہمی امتزاج کی نشانی ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان کو زیادہ سادہ اور صاف کیا جائے تاکہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لئے قابل قبول ہو سکے۔

ملک عنبر کا جذبہ

جامعہ عثمانیہ کے قیام اور دکھنی قومیت کی تحریک پر مشترکہ زبان کے سلسلہ میں بیرونی نزاع کا اثر نہ پڑ سکا۔ اور جو جذبہ ملک عنبر کو بیرونی مداخلتوں کو روکنے پر اکساتا رہا ہے وہی اب بھی بیرونی اثرات کو دور کرنے میں کارفرما ہے۔ جامعہ عثمانیہ نے نہ صرف زبان کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ اس کا مقصد یہ رہا ہے کہ دلوں کو بھی ایک کیا جائے اور اس کا بہترین ثبوت جامعہ عثمانیہ کی عمارتیں ہیں۔ جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرز تعمیر کو ایک دوسرے میں سمو دیا گیا ہے۔ اگرچہ کہ اس کے خلاف مخالف عناصر بھی اپنا کام کرتے رہے ہیں پھر بھی ملک کے مفاد اور بھلائی کی یہ تحریکیں جس جوش اور خلوص سے اٹھائی گئی ہیں اس کو روکا نہیں جا سکیگا اور دکھنی قومیت کا جذبہ زیادہ اثر اور قوت حاصل کرتا جائے گا۔ اور یہ احساس اب پختہ تر ہوتا جائے گا کہ دکھنی قومیت ایک تاریخی ورثہ ہے جسے ماضی نے امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے اور جسے ہم اپنے سینوں سے لگا رکھیں گے۔

تاج محل ہیر ڈریسنگ سیلون
لیڈیز اینڈ جنٹس
روبروئے
ڈاکٹر کروسکر ترپ بازار حیدرآباد دکن

نثری خاکوں کے انعامی مقابلے

نشرگاہ اورنگ آباد ایسے دلچسپ اور معیاری اُردو اور مرہٹی نثری خاکوں (ریڈیو پچر) کے لئے انعامی مقابلوں کا اعلان کرتی ہے جن کا دوران نشر تیس منٹ سے زائد نہ ہو اور جن میں نسوانی کردار دو سے زائد نہ ہوں۔ مسودات جو کاغذ کے ایک ہی رخ پر صاف خط میں لکھے ہوئے ہوں یکم آبان ۱۳۵۰ف مطابق ۵ ستمبر ۱۹۴۰ء تک دفتر نشرگاہ میں پہنچ جائیں۔

اُردو اور مرہٹی مسودات کو جانچنے اور انعامات کا تصفیہ کرنے کے فرائض ایسی دو مجلسوں کے سپرد ہوں گے جو اصحاب ذوق پر مشتمل ہوں گی دونوں زبانوں میں پہلے انعامات پچاس روپے سکہ عثمانیہ۔ دوسرے انعامات تیس تیس روپے اور تیسرے انعامات بیس بیس روپے ہوں گے انشاءاللہ یکم آذر ۱۳۵۰ف کو مقابلوں کے نتائج کا اعلان کیا جائے گا۔

جو وصول شدہ مسودات نشرگاہ اورنگ آباد کی ملک متصور ہوں گے۔ نشرگاہ کو اپنے مسودات کے ساتھ ایک تحریر بایں دخل کرنی ہوگی کہ انہیں شرائط مقابلہ منظور ہیں نیز یہ کہ وہ انعامات کے فیصلہ کو قبول کریں گے۔ ہر امیدوار صرف ایک مسودہ بھیج سکے گا۔ ملازمین سررشتہ لاسلکی کو اس مقابلے میں شرکت کی اجازت نہ ہوگی۔

آر۔ جے پال راؤ — منجانب مہتمم نشرگاہ

فون نمبر (۳۲۷۰)
خزانہ عامرہ کی موٹر
پر
بنارسی مال
کا مخزن
رام بخش جے چند (لاڈ بازار)
بیوپاریوں اور آرڈر پر سپلائی کرتے ہیں

پبلک کارکنوں کے مشاغل

کل ہند و پست اقوام کانفرنس میں شرکت کے لئے حیدرآباد کے ہندوؤں میں مسٹر پی آر وینکٹ راؤ کی قیادت میں اس ہفتہ ناگپور روانہ ہو رہے ہیں۔

مسٹر گوپال راؤ ایڈوکیٹ صدر ہندو پرجا منڈل نے ایک صحافتی بیان میں اس خبر کی تردید کی ہے کہ پرجا منڈل کی مجلس عاملہ کے جلسہ میں صاحب موصوف کی شرکت ڈیفنس کونسل کا مسئلہ پیش ہوا تھا اور آئندہ اجلاس میں یہ مسئلہ زیر بحث لایا جائے گا۔

مسٹر نریندر سکریٹری آریہ پرتی ندھی سبھا گلگنڈہ اور ضلع گوڑہ و اسرپا و پیٹھ کے دورہ کے بعد بلدہ واپس آئے اور جالنہ کے دورہ پر جانے والے ہیں۔

پنڈت ونائک راؤ صدر آریہ پرتی ندھی سبھا اور مسلم آرین لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لئے بمبئی گئے ہوئے ہیں۔

مسٹر ڈی اوی اسوامی کی صدارت میں بمقام بلارم ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں دکن آرین لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ ڈاکٹر رام کرشنا ریڈی صدر منتخب ہوئے۔ لیگ کے اصول وہی رہیں گے جو کہ آریہ سماج کے اصول ہیں۔

سوامی راما نند تیرتھ گلبرگہ کے دورہ سے بلدہ واپس آئے۔

انجمن مدارس خانگی و امدادی کا پہلا جلسہ مسٹر سی پال صدر انجمن کے مکان پر منعقد ہو رہا ہے جس میں انجمن کے آئندہ پروگرام پر غور کیا جائے گا۔

سوامی راما نند تیرتھ کی اپیل کی بناء پر شہر حیدرآباد میں مسٹر واسپا ہویانی کے ماحول اور نظر بندان سیاسی کی ہمدردی میں روزہ رکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر حیدرآباد میں مختلف مقامات پر ہمدردوں کی جماعتوں نے اس پروگرام پر عمل کیا۔

مولوی عبدالکریم صاحب وکیل صدر انجمن اتحاد المسلمین گلبرگہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی ہے اور چار ارکان عاملہ نے استعفا پیش کر دیا ہے۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر نے کمیٹی تنظیم تعلیم و تبلیغ سے استعفا دیدیا ہے۔

مولوی عبدالصمد سراج الدین صاحب آرگنائزر مجلس اتحاد المسلمین نے ادہونی میں نوجوانوں کے ایک جلسہ کو مخاطب کیا۔

معتمد صاحب مجلس اتحاد المسلمین ضلع بیدر اور نے تعلقہ جات بیدر و دیگر مستقر مواضعات کا تعلیمی دورہ شروع کیا اور تعلقہ ... کو

گاندھی جی کی قرارداد

واردھا ۱۰ جولائی۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ آج سہ پہر میں جب کانگریس کی مجلس عاملہ سیواگرام میں جمع ہوگی تو وہ موجودہ سیاسی صورت حال کے متعلق ایک قرارداد پر غور کرے گی۔ اور مزید یہ سمجھا جاتا ہے کہ گاندھی جی جنہوں نے یہ قرارداد مرتب کی ہے مجلس کے سامنے اس قرارداد کو پیش کریں گے۔ اور اس کے مفہوم کی وضاحت کریں گے۔ آج صبح کی نشست میں کمیٹی نے ایک اور قرارداد پر غور کیا جو حکومت کی ان کارروائیوں سے متعلق تھی جو اس نے اڑیسہ، مشرقی بنگال اور دوسرے مقامات میں دفاعی اغراض کے تحت بعض رقبوں کا تخلیہ کرانے کے لئے اختیار کی ہیں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ موجودہ بحران کا مقابلہ کرنے کے لئے جو بقول ایک لیڈر کے کرپس کے مشن کی ناکامی کی وجہ سے ایک دوسری ہی صورت اختیار کر لی ہے گاندھی جی سے پھر ایک مرتبہ استدعا کی جائے گی کہ وہ کانگریس کی رہنمائی کرنے کی ایک مرتبہ اور ذمہ داری قبول کریں اور کانگریس کے مقاصد کی تکمیل کے لئے وہ جو چارہ کار چاہیں اختیار کریں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ گاندھی جی کی تجویز کو پورا کرنے کے لئے جس کی تائید مجلس عاملہ نے بھی کی ہے (یعنی برطانوی اقتدار کی دستبرداری) کوئی خنک اور دلخراش اسکیم نہیں ہو سکتی لیکن گاندھی جی کو حالات کے مطابق اپنا راستہ طے کرنے کی آزادی دی جائے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جمع ہونے کے امکان کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ موجودہ کمیٹی طلب کی جائے گی یا جدید کمیٹی کو بلایا جائے گا جو اکتوبر کے آخر میں منتخب ہوگی۔

... مجلس کی ایک شاخ قائم کی۔

مفاہمت ضروری ہے

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

آخر میں بہت سی اہم شخصیتوں نے یہ قصد کر لیا ہے کہ کریں جو کچھ ہم کر سکتے ہیں۔ مسٹر محمد علی جناح کسی سمجھوتہ پر آمادہ نہ ہوں گے کیونکہ یہ لوگ باور کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سودے پر آمادہ رہتے ہیں اور ابھی کسی مفید نتیجہ پر نہیں پہنچے۔ میرا یہ ایقان ہے کہ یہ کوئی ٹھیک اندازہ نہیں میرا خیال ہے کہ میری تجویز کے دسامیں پر کانگریس کو چاہئے کہ ان کا امتحان لے ایسے اتحاد سے ہم فائدہ ہی میں رہیں گے۔ ہمارا کوئی نقصان نہ ہوگا اور بلاشک و شبہ میرا یہ ایقان ہے کہ میری تجویز قومی وقار اور اصول آزادی کی حامل ہونے کے ساتھ ہی حق خود ارادیت سے مملو ہے۔

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح سے بمبئی میں ملاقات کے بعد راجہ جی کا یہ پہلا بیان ہے۔

(اورینٹ پریس)

تہذیب کا مستقبل

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۹)

... دنیا کی طرف یورپی اقوام کی رہبری میں صرف ہوگا۔ فی الحال اپنی ساری قوت اس لایعنی جنگ پسندی کی نفاد یا کشمکش امید و بیم کے موجودہ پریشان کن دور کا مناسب علاج ڈھونڈنے میں صرف کرتی ہوگی۔

قائم شدہ ۱۸۷۰ء

سید عبدالرزاق اینڈ کمپنی

کیمسٹ خاص اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

صدر دفتر
چارکمان حیدرآباد دکن
فون نمبر ۲۰

عابد روڈ
فون نمبر ۲۷۱

شاخیں
آکسفورڈ اسٹریٹ سکندرآباد
فون نمبر ۲۵۵

احمد پریس چارمینار میں چھپا ... بنام ... دفتر ملک ... شائع ہوا۔

پارچہ جات

ایف۔ڈی۔خان اینڈ کمپنی

محی الدین بلڈنگ حیدرآباد

کفایت کی خاطر

ریڈیو لیگ کے رکن بن جائیے

لاوڈ اسپیکر کرایہ پر دیئے جاتے ہیں
پرانے ریڈیو درست اور فروخت کیے جاتے ہیں

ریڈیو ہاؤس اسپیشل

توپ کا سانچہ حیدرآباد

دیسی صنعت

حیدرآباد کے کاریگروں کے ہاتھ سے بنائے ہوئے

خوش نما شیروانی بٹن

جو ہر قسم کے کپڑوں پر موزوں ہو سکتے ہیں

قیمت (عہ)

ملنے کا پتہ

محمد عبد الرحمن جنرل مرچنٹ مچھلی کمان حیدرآباد

عزیز

برادران

تاجران غلہ

نظام شاہی روڈ

حیدرآباد دکن

مہاراجہ جینیٹیبل ہیر آئیل

طلائی تمغہ یافتہ

بالوں کو بڑھاتا سفیدی کو روکتا ہے دماغ کو قوت
آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچاتا اور فرحت بخشتا ہے

قیمت فی شیشی عہ؍

بھگوان اینڈ کمپنی گلزار حوض حیدرآباد دکن

فن تاریخ کی چند معیاری کتابیں

خلافت اندلس۔ از نواب ذوالقدر جنگ بہادر۔ یہ اندلس (اسپین) کی جامع تاریخ ہے خصوصاً اسلامی عہد حکومت کے متعلق ہر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ متعدد عکسی تصاویر۔ قیمت بارہ روپیہ

کارنامہ سروری۔ نواب سرور الملک بہادر کی خود نوشت سوانح حیات، نواب صاحب نے اپنے حالات کے ساتھ ساتھ حیدرآباد اور اعظم... سلطنت عسکریہ اور ... کا مفصل تذکرہ تحریر فرمایا ہے آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے حیدرآباد کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حالات کے متعلق کافی معلومات درج ہیں قیمت ... روپیہ۔

سوانح چاند بی بی۔ از مولوی سید محمد احمد قادری۔ احمد نگر کی شہرہ آفاق ملکہ چاند سلطانہ کی مستند سوانح حیات اور اس کے عہد کی محققانہ اور مکمل تاریخ ہے قیمت تین روپیہ۔

مآثر دکن۔ از مولوی سید علی اصغر بلگرامی۔ دکن کے آثار قدیمہ خصوصاً حیدرآباد شہر کے مشہور تاریخی و قدیم عمارات کے حالات تصویروں کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ دو روپیہ۔ انگریزی اڈیشن پانچ روپیہ

نیز۔ اردو ادب کی جملہ قدیم اور جدید کتابیں اور حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی کل مطبوعات ہمارے کتب خانہ سے طلب فرمائیے۔ علمی ادبی ادارہ کی سرپرستی فرمائیے۔ فہرست مفت۔

مکتبہ ابراہیمیہ۔حیدرآباد دکن

ختم نبوت علامہ اقبال کا ایک مقالہ قیمت ۲؍
ملنے کا پتہ
احمدیہ پریس چار مینار حیدرآباد دکن

دواخانہ عثمانیہ

کے نمبروں کے موافق عینکیں بنا کر دیجاتی ہیں
فریم و گردکس گلاس بنیٹی وغیرہ ملتے ہیں

حاجی عبد الغنی علی یوسف علی چار مینار حیدرآباد